بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۴

اپریل ۲۰۱۸ء

رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	اعتکاف: فضائل وآداب	مبارک حسین مصباحی	۳
	تحقیقات		
علمی تحقیق	علومِ اسلامی میں قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے (چوتھی قسط)	خورشید احمد سعیدی	۸
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۲
	نظریات		
فکر امروز	خدایا! شام کی صبح کب ہوگی؟	صابر رضا رہبؔر مصباحی	۱۷
	اسلامیات		
شعائر	خلفاے راشدین اور خدمتِ خلق	غلام احمد قریشی	۱۹
	شخصیات		
تذکرہ	امیر المومنین حضرت عثمان غنی: ولادت سے شہادت تک	محسن رضا ضیائی	۲۶
انوارِ حیات	علامہ شاہ فضل رسول بدایونی: احوالِ زیست	توفیق احسن برکاتی	۳۰
	سماجیات		
نقطۂ نظر	معاشی پسماندگی کے وجوہات اور ان کا سدباب	ڈاکٹر ظہور دانش	۳۵
	بزمِ خواتین		
تجزیہ	حقوقِ نسواں کا اصلی محافظ: اسلام یا مغرب	غلام سرور	۳۷
	سیاسیات		
آئینۂ وطن	ہادیہ کے جذبۂ ایمانی کو سلام	سہیل انجم	۴۰
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	رمضان المبارک کی اخلاقی اور روحانی قدریں	حافظ محمد ہاشم قادری/ مفتی محمد منظر مصطفیٰ ناز صدیقی	۴۲
	ادبیات		
نقد و نظر	عدد تین کی حیرت انگیز دنیا	تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی	۴۸
خیابانِ حرم	نعتیں	سید محمد نور الحسن نورؔ/ حافظ محمد خلیل چشتی/ حاجی مقبول احمد	۵۰
	مکتوبات		
صداے باز گشت	حافظ محمد خلیل چشتی مصباحی/ صادق رضا مصباحی		۵۱
	سرگرمیاں		
سرگرمیاں	جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مسابقہ حفظ حدیث/ محفلِ مکالمہ/ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ میں دینی جلسہ		۵۳

ادار یہ

اعتکاف: فضائل و آداب

مبارک حسین مصباحی

آج ملکی اور بین الاقوامی حالات سب پر بڑی حد تک ظاہر ہیں۔ عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو جو نشانہ بنایا جارہا ہے اس سے بھی کسی حد تک ہمارے قارئین واقف ہوں گے، عالمی میدانوں میں بے شمار مسائل ہیں، سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی مگران جیسے تمام مسائل میں غیر مسلموں کا نشانہ عام طور پر مسلمان ہیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ مسلمانوں کے لیے نصرتِ الٰہی ہوتی ہے، رسولِ اعظم ﷺ کی رحمتیں ہوتی ہیں، اولیاے کرام کی برکتیں ہوتی ہیں۔ یہ نعمتیں آج بھی ہیں مگران تمام کے فیوض و برکات جو مسلمانوں کے لیے ماضی میں تھے، اب اس جیسے جلوے نظر نہیں آتے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مسلمانوں کو اتحاد اور یکجہتی کے ساتھ دشمنوں کا مثبت انداز سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مگر ہمیں سامنے آنے کے ساتھ اپنے عقائد و اعمال پر بھی نگاہ ڈالنا چاہیے۔ ہمیں اپنی عبادت و ریاضت پر غور کرنا چاہیے، خشیتِ ربانی اور تقویٰ شعاری پر محاسبانہ نظر ڈالنا چاہیے، ہمیں اپنے رسول ﷺ سے عملی محبت کتنی ہے، اولیاے کرام سے عقیدت و محبت پر بھی سنجیدگی سے سوچنا چاہیے، کیا صرف ان کے مزاروں پر حاضری ضروری ہے، یا اس کے ساتھ اپنے معمولات کو ان کے اعمالِ صالحہ کے سانچے میں ڈھالنا بھی ضروری ہے۔ آج ہم نے اعتکاف کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے، اس کے ساتھ بھی وہ تمام اغراض و مقاصد شامل ہیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اعتکاف کے طفیل ہی ہماری زندگیوں میں صالح انقلاب پیدا فرمادے۔

اس وقت انسانی دنیا میں کثیر خانقاہیں، معروف درس گاہیں اور مشہور تحریکیں سرگرمِ عمل ہیں، ان کی خدمات کا ایک بڑا حصہ انفرادی اور اجتماعی اعتکاف کا بھی ہے۔ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں ہزاروں ہزار افراد اجتماعی اعتکاف میں شریک ہوتے ہیں۔ رمضان کی بہاروں میں عبادت کا رنگ ہی دوبالا ہوجاتا ہے۔ نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، روزے داروں کی تعداد میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہوجاتا ہے۔ مساجد اور دیگر مقامات پر افطار کرانے والوں میں بھی ذوق و شوق بڑھ جاتا ہے، رمضان کے آخری دس دنوں میں اور کثیر مقامات پر پہلے ہی رمضان سے اجتماعی اعتکاف کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ اعتکاف کا یہ حسین سلسلہ صرف رمضان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ایام میں بھی اس کے مناظر نظر آتے ہیں، مگر رمضان کی بہاروں میں خود اس ماہ کی بہار کی برکات بھی شامل ہوتی ہیں۔ گھر آنگن سے محراب و منبر تک سب رمضان کی موسلا دھار بارش میں نہائے ہوتے ہیں۔

اس حقیقت سے توسب واقف ہیں کہ مسلمان عام طور پر گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں، قتل وغارت گری، زناکاری، بدکاری، حرام خوری، شراب نوشی، چوری، ڈاکہ زنی، غیبت، چغلی، الزام تراشی، بدنگاہی، رشوت خوری، دھوکہ، فریب دہی، فلمی گیتوں میں تلویث اور کتنے ڈانسر جب انھیں توفیق ملی اور اعتکاف میں بیٹھے تو ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی، توبہ و استغفار کے بعد قاتل محافظ بن گئے، زانی اور بدکار خواتین کی عصمتوں کے پاسبان بن گئے۔ حرام خور حلال خوری کے داعی بن گئے، شرابی حوضِ کوثر کے حقدار بن گئے، غیبت اور الزام تراشی کرنے والے انھیں حضرات کے مداح اور حامی بن گئے، چور اور ڈاکو اپنے گناہوں سے تائب ہوکر انھیں کے مالوں کے محافظ بن گئے، رشوت خور حق و انصاف کی دعوت دینے لگے، دھوکہ اور فریب دینے والے ہمدرد وغم گسار بن گئے، بدعملی کرنے والے اعمالِ صالحہ کے خوگر بن گئے، بدنظری میں مبتلا رہنے والے نیچی نگاہیں رکھنے میں مشہور ہوگئے، گیتوں اور ڈانسوں میں مبتلا حضرات مداحِ رسول اور معروف نعت خواں بن گئے، یہ بڑے تفصیلی احوال ہیں جنھیں باضابطہ متعلقین کے تاثرات کے ساتھ مستقل کتابوں میں جمع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور ہم بھی اعتکاف میں بیٹھیں اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق انھیں پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں میں بھی صالح اور حیرت انگیز انقلاب پیدا فرمائے۔ اب ہم ذیل میں اعتکاف کی تعریف اور فضائل و برکات نقل کرتے ہیں۔

اعتکاف-قرآن اور احادیث کی روشنی میں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی [م: ۵۰۲ھ] لکھتے ہیں:

”اعتکاف کا لغوی معنٰی ہے تعظیم کی نیت سے کسی چیز کے پاس ٹھہرنا اور شریعت میں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔“ (المفردات، ص: ۳۴۲)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تباشروھن و انتم عٰکفون فی المسٰجد.(پ:۲:البقرۃ:۱۸۷)
اور اپنی بیویوں کا جنسی تقرب اور تلذذ حاصل نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔
احادیث نبویہ میں اعتکاف شرعی کے تعلق سے فضائل و مسائل وارد ہیں۔ہم یہاں چند احادیث کریمہ نقل کرتے ہیں۔
صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشروں کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔(صحیح مسلم،کتاب الاعتکاف،حدیث:۲/۱۱۷۲،ص:۵۹۷)
حضرت ابوداؤد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، فرماتے ہیں:
”معتکف پر سنت یہ ہے کہ نہ مریض کی عیادت کو جائے نہ جنازہ میں حاضر ہو، نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور نہ کسی حاجت کے لیے جائے، مگر اس حاجت کے لیے جاسکتا ہے جو ضروری ہے اور اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں اور اعتکاف جماعت والی مسجد میں کرے۔“(سنن ابوداؤد، کتاب الصیام، حدیث ۲۴۷۳، ج:۲، ص:۴۹۲)
حضرت بیہقی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
”جس نے رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف کر لیا تو ایسا ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کیے۔“
(شعیب الایمان، باب فی الاعتکاف، حدیث ۳۹۶۶، ج:۳، ص:۴۲۵)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کرتی تھیں۔(صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو صبح کی نماز پڑھتے پھر اعتکاف کی جگہ بیٹھتے، ایک مرتبہ آپ نے خیمہ لگانے کا حکم دیا اور خیمہ لگا دیا اور آپ نے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا ارادہ فرمایا، پھر حضرت زینب نے حکم دیا تو ان کا خیمہ بھی لگا دیا گیا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باقی ازواج نے بھی خیمے لگانے کا حکم دیا، ان کے خیمے بھی لگا دیے گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے تو خیموں کو دیکھا اور فرمایا: کیا انھوں نے بھی نیکی کا ارادہ کیا ہے؟ آپ نے اپنے خیمے کو کھولنے کا حکم دیا، وہ کھول دیا گیا اور رمضان میں اعتکاف ترک فرما دیا پھر شوال کے پہلے عشرے میں اعتکاف فرمایا۔(صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف)
اعتکاف کے تعلق سے ہم نے ایک آیتِ کریمہ اور چند احادیث نقل کی ہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ آج مسلمان عالمی اور ملکی سطح پر جس ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں اس کا ایک بنیادی سبب مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہٹ کر محض دنیاداری میں ملوث ہونا بھی ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ دشمنوں نے آج اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہے، آج کے دور میں میڈیا پر آپ نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوگا تمام غیر اسلامی طاقتیں صرف اور صرف مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو میدان میں جانے اور مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی کرنا چاہیے، مگر اس سے پہلے انھیں اپنے دینی احوال، عبادات و معاملات پر بھی گہری نگاہ رکھنا چاہیے کہ ہماری اپنی اسلامی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ عہدِ قدیم میں بھی مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی، مگر ان میں ایمانی پختگی، وافر شوقِ عمل، محبت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فراوانی تھی، وہ حضرات کسی بھی میدان میں اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت پر کامل یقین رکھتے تھے، اس لیے بظاہر قلیل ہونے کے باوجود بھی کثیر پر غالب آجاتے تھے۔
ہم نے اداریے میں اعتکاف کو اپنا موضوع اسی نیک مقصد کے لیے بنایا ہے کہ دنیا کے مسلمان جو صرف دنیا کے لیے دنیاداری میں الجھے ہوئے ہیں، وہ صرف ظاہری اسباب پر نگاہ رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی جاری برکتوں اور عنایتوں پر بھی نگاہ مرکوز کریں اور ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقتوں پر توجہ کریں، مکمل یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تسبیح و تہلیل کریں اور مسجدوں میں معتکف ہو کر عبادت اور دعا کریں، جب انسان اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ عنایت بھی اس کی جانب مبذول ہوتی ہے۔
اب ہم ذیل میں اعتکافِ شرعی کی مزید توضیح و تفصیل نقل کرتے ہیں، حضرت صدر الشریعہ اہم فقہی ماخذ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں:
حسنِ نیت کے ساتھ مسجد میں اللہ عزوجل کے لیے ٹھہرنا اعتکاف ہے۔ اس میں بالغ ہونا ضروری نہیں، اگر نابالغ جو تمیز رکھتا ہے، مذکورہ شرائط کے ساتھ ٹھہرے تو درست ہے۔ اس کے لیے مسلمان، عاقل ہونا ضروری ہے۔ جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔

الجوہر النیرہ میں ہے کہ: ”سب سے افضل اعتکاف مسجد حرم شریف میں ہے پھر مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں، اس کے بعد مسجد اقصیٰ میں پھر اس میں جہاں بڑی جماعت ہوتی ہو۔“ (کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ص:۱۸۸)

اعتکاف مسجد جماعت میں بھی ہو سکتا ہے۔ مسجد جماعت وہ ہے جس میں امام و مؤذن مقرر ہوں، اگرچہ اس میں پنجگانہ جماعت نہ ہوتی ہو اور آسانی اس میں ہے کہ مطلقاً ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے خاص طور پر عہدِ حاضر میں کہ کثیر مسجدیں ایسی ہیں جن میں نہ امام مقرر ہیں اور نہ مؤذن۔
(ردالمختار، کتاب الصوم، ج:۱، ص:۲۱۱)

عورت کا مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے، بلکہ وہ گھر ہی میں اعتکاف کرے، یعنی نماز پڑھنے کی جگہ جسے شرعی طور پر مسجدِ بیت کہتے ہیں۔ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لیے جگہ مقرر کر لے اور چاہیے کہ اس جگہ کو پاک وصاف رکھے، بہتر یہ ہے کہ اس جگہ کو چبوترے وغیرہ کی طرح بلند کر لے۔ عورت نے گھر میں نماز کے لیے کوئی جگہ مقرر نہیں کی ہے تو گھر میں اعتکاف نہیں کر سکتی، البتہ اگر اس وقت یعنی جب کہ اعتکاف کا ارادہ کیا، کسی جگہ کو نماز کے لیے خاص کر لیا تو اس جگہ اعتکاف کر سکتی ہے۔ (الدر المختار و ردالمحتار، کتاب الصوم، ج:۳، ص:۴۹۴)

اعتکاف کے اقسام اور احکام:

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں واجب، سنت مؤکدہ اور مستحب:

اعتکافِ واجب: اعتکاف کی منت مانی، یعنی زبان سے کہا صرف دل کے ارادے سے واجب نہیں ہوگا، منت کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے، اگر ایک مہینے کے اعتکاف کی منت مانی اور یہ کہا کہ روزہ نہ رکھے، جب بھی روزہ رکھنا واجب ہے۔ اگر رات کے اعتکاف کی منت تو یہ منت صحیح نہیں کہ رات میں روزہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یوں کہا کہ ایک دن رات کا مجھ پر اعتکاف ہے تو یہ منت درست ہے۔ اور اگر آج کے اعتکاف کی منت مانی اور کھانا کھا چکا ہے تو منت صحیح نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الصوم، ج:۳، ص:۴۹۶)

یہ ضروری نہیں کہ خاص اعتکاف ہی کے لیے روزہ ہو بلکہ روزہ ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر رمضان کے اعتکاف کی منت مانی تو وہی رمضان کے روزے اس اعتکاف کے لیے کافی ہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”اعتکاف کا وجوب نذر مطلق سے ہوتا ہے یا نذر مقید سے، نذر مطلق کی مثال یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایک دن یا ایک ماہ کا اعتکاف کروں گا اور نذر مقید کی مثال یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں بیمار ٹھیک ہو گیا تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔“ (علامہ علاؤالدین کاسانی، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۱۰۸)

اعتکاف سنت مؤکدہ: یہ رمضان المبارک کے پورے عشرہ اخیرہ یعنی آخر کے دس دن میں کیا جائے یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت اعتکاف کی نیت سے مسجد میں موجود ہو اور تیسویں رمضان کو سورج ڈوبنے کے بعد یا انتیسویں کو چاند ہونے کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔ اگر بیسویں تاریخ کو بعد نماز مغرب اعتکاف کی نیّت کی تو سنت مؤکدہ ادا نہ ہوگی اور یہ اعتکاف سنت موکدہ کفایہ ہے کہ اگر سب ترک کر دیں تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ایک نے بھی کر لیا تو سب بچ جائیں گے، اس اعتکاف میں بھی روزہ شرط ہے، مگر وہی رمضان کے روزے کافی ہیں۔ (قانونِ شریعت، اول، ص:۱۸۵، بحوالہ ہندیہ وہدایہ وغیرہ)

اعتکافِ مستحب: واجب اور سنت موکدہ کے علاوہ جو اعتکاف ہے وہ اعتکاف مستحب ہے، اعتکافِ مستحب کے لیے روزہ شرط نہیں، یہ چند لمحوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ مسجد میں جب جائے اس اعتکاف کی نیت کر لے چاہے تھوڑی ہی دیر مسجد میں رہ کر چلا جائے، جب چلا جائے اعتکاف ختم ہو جائے گا، نیت میں فقط اتنا کافی ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اعتکافِ مسجد کی نیت کی۔ یہ اعتکاف محض نیت کرنے اور مسجد میں داخل ہونے سے ہو جاتا ہے، بہتر ہے کہ مساجد کے دروازوں پر اس کے پمفلٹ چسپاں کر دیے جائیں، ان سے جنھیں معلوم نہیں، معلوم ہو جائے گا اور جنھیں پہلے سے معلوم ہے ان کی یاد دہانی ہو جائے گی۔

اب ہم اعتکاف سے متعلق چند مسائل نقل کرتے ہیں:

شوہر نے عورت کو اعتکاف کی اجازت دے دی اب روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا، شوہر نے ایک مہینے کے اعتکاف کی اجازت دی اور عورت لگاتار پورے مہینے کا اعتکاف کرنا چاہتی ہے تو شوہر کو اختیار ہے کہ یہ حکم دے کہ تھوڑے تھوڑے کرکے ایک مہینہ پورا کرلے اور اگر کسی خاص مہینے کی اجازت دی ہے تو اب اختیار نہ رہا۔(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصوم، ج:۱، ص:۲۱۱)

معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں۔

ایک- حاجت طبعی کہ مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے لیٹرین، پیشاب، استنجا، وضو اور غسل کی ضرورت، اگر مسجد میں وضو اور غسل کے لیے جگہ ہو یا حوض ہو تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔ عہدِ حاضر میں عام طور پر مساجد میں لیٹرین، استنجاخانے، وضوخانے اور غسل خانے ہوتے ہیں۔ ان صورتوں میں بھی معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ غسل صرف ضروری ہونے مثلاً احتلام وغیرہ کی صورت میں کرسکتا ہے۔ شدید گرمی یا پسینے وغیرہ کی وجہ سے غسل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے یہ واجب خود اس نے اپنے ذمہ لیا ہے، جیسے روزہ میں کتنی بھی بھوک اور پیاس ہو مگر اسے قطعاً کچھ کھانے پینے کی اجازت نہیں۔

دوم- حاجتِ شرعی: عید یا جمعہ کی جماعت میں شرکت کے لیے جانا، ردالمختار میں ہے:

”اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہاں جماعت نہیں ہوتی تو جماعت کے لیے نکلنے کی اجازت ہے۔“(کتاب الصوم، ج:۳، ص:۵۰۲)

”اگر منت مانتے وقت یہ شرط کرلی کہ مریض کی عیادت، نماز جنازہ اور مجلس علم میں حاضر ہوگا تو یہ شرط جائز ہے۔ اب اگر ان کاموں کے لیے جائے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا، مگر صرف دل میں نیت کرلینا کافی نہیں بلکہ زبان سے کہ لینا ضروری ہے۔“(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصوم، ج:۱، ص:۲۱۲)

”معتکف کو وطی کرنا اور عورت کا بوسہ لینا یا چھونا یا گلے لگانا حرام ہے، جماع سے بہر حال اعتکاف فاسد ہوجائے گا، انزال ہو نہ ہو، یا بھولے سے مسجد میں ہو یا باہر رات میں ہو یا دن میں جماع کے علاوہ اوروں میں اگر انزال ہو تو فاسد ہے ورنہ نہیں، احتلام ہوگیا یا خیال جمانے یا نظر کرنے سے انزال ہوا تو اعتکاف فاسد نہ ہو۔“(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصوم، ج:۱، ص:۲۱۳)

اعتکاف کے آداب: اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور بندی پوری دنیا سے کنارہ کش ہوکر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص مسجد یا خاتون اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوجائے اور رسول اعظم ﷺ کے صحیح طریقہ کے مطابق اپنے خدا سے گریہ وزاری کرے، جب ایک بندۂ مومن سب کو چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم بھی اس پر ابر باراں بن کر برستی ہے، بندہ اپنے گناہوں سے رجوع اور استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بھی اسے اپنے دامن عفو میں سمیٹ لیتی ہیں۔ اب اس سلسلے میں چند آداب اعتکاف نوٹ کرتے ہیں:

(۱)- بندۂ مومن اور مسلم خاتون کو چاہیے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرلے تو صرف اسی کی عبادت، تلاوتِ قرآن عظیم اور مسائل شرعیہ دریافت کرنے یا بتانے میں مصروف رہے، ایسا نہ ہو کہ مسجد میں چند بندے باہم بیٹھ کر دنیاوی معاملات میں الجھے رہیں اور عبادت و ریاضت جیسی عظیم نعمت سے محروم ہوجائیں اور اعتکاف کی فضیلت میں رخنہ پیدا کریں۔

(۲)- معتکفین کو چاہیے کہ وہ باہم غیبت اور چغلی نہ کریں، نہ اپنی دنیاوی تکالیف کا اظہار کریں اور نہ درد و غم میں ڈوب کر غیر معتکفین سے انتقام لینے کے ناپاک منصوبے بنائیں، بلکہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے توفیقِ خیر سے سرفراز فرمایا ہے تو وہ مکمل اس روحانی اور عرفانی ماحول میں ڈوبا رہے۔

(۳)- اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا:

يا رسول الله ما الإحسان؟ قال: أن تعبد الله كانك تراه فإنكا إن لم تره فإنه يراك.

(بخاری، کتاب الإيمان، حديث: ٥٠)

ترجمہ: یارسول اللہ! بھلائی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہ دیکھ سکو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

جب ایک بندۂ مومن اپنی عبادت میں اس منزل پر پہنچ جائے تو وہ خود بخود دنیاوی معاملات سے کنارہ کش ہوجائے گا۔

۴- عام طور پر اب نوجوان بھی اعتکاف میں بیٹھنے لگے ہیں، وہ اپنی نوجوانی کے نشے میں جوش و جذبے میں بیٹھ تو جاتے ہیں مگر مسجدوں میں موبائل کا استعمال بھی خوب کرتے ہیں، اپنے اقربا اور محبوبوں سے خوب باتیں کرتے ہیں، وہاٹس ایپ اور فیس بک کا استعمال کرتے ہیں، یو ٹیوب چلاتے ہیں، گوگل کا استعمال کر کے شرعی اور غیر شرعی امور و معاملات میں سرگرداں رہتے ہیں، ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں سے ہماری گذارش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس جوانی میں آپ کو یہ توفیقِ حسن عطا فرمائی ہے تو نگاہ اس کے فضل و کرم پر رہنا چاہیے، اس کے فیضانِ کرم کا اس سے بہتر موقع کب نصیب ہوگا، واضح رہے کہ ہم نے یہاں صرف نوجوانوں کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ اس عمل میں معمر اور بوڑھے بھی کچھ نہ کچھ مشغول رہتے ہیں، ان باتوں پر ان کا عمل بھی ضروری ہے۔

۵- ایک بندۂ مومن کو ولایت و معرفت کے مدارج بھی فرائض و نوافل اور سنن و مستحبات پر عمل کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں، صحابۂ کرام اور اولیاے عظام کے بے شمار واقعات ہیں کہ عبادت و ریاضت کے مراحل سے گزر کر وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ہمارے آقا حضور ﷺ پوری پابندی سے رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، دو ایک بار ترک فرما دیا تو بعد میں دس دن یا بیس دن مکمل اعتکاف فرمایا۔ ہم سب کو چاہیے کہ قبر و حشر کی منزلوں کو آسان کرنے کے لیے سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اعتکاف میں مصروف رہیں۔

۶- اعتکاف سنت موکدہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتا ہے۔ ان ایام میں قدر کی تمام شبیں بھی آتی ہیں، یعنی اکیسویں شب، تیئیسویں شب، پچیسویں شب، ستائیسویں شب اور انتیسویں شب، ان میں ستائیسویں شب ہی سب سے راجح ہے۔ اب ہم ذیل میں سورۂ قدر مکیہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

"بے شک ہم نے اسے [قرآن مجید کو لوح محفوظ سے، آسمان دنیا کی طرف یکبارگی] شبِ قدر میں اتارا، اور تم نے کیا جانا، کیا شبِ قدر، شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر، اس میں فرشتے اور جبرئیل اترتے ہیں [زمین کی طرف جو بندہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے، اس کو معلوم کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعا و استغفار کرتے ہیں] اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے، وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔" [سورۃ القدر، مکمل]

اب ہم ذیل میں تفسیر خزائن العرفان سے اس سورہ کی تفسیر کی تلخیص نقل کرتے ہیں:

شبِ قدر شرف و برکت والی رات ہے اس کو شبِ قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ احادیث میں اس شب کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس نے اس شب میں ایمان و اخلاص کے ساتھ شب بیداری کر کے عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس شب میں کثرت سے استغفار کرے اور یہ رات عبادت میں گزارے، سال بھر میں شبِ قدر ایک مرتبہ آتی ہے اور روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے اور اکثر اس کی بھی طاق راتوں میں سے کسی رات میں۔ بعض علما کے نزدیک رمضان المبارک کی ستائیسویں رات شب قدر ہوتی ہے، یہی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امم گذشتہ کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو تمام رات عبادت کرتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا، اس طرح اس نے ہزار مہینے گزارے تھے، مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شبِ قدر عطا فرمائی اور یہ آیت نازل کی کہ شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ [اخرجہ ابن جریر عن طریق مجاہد]

شبِ قدر کی فضیلت سے معلوم ہوا کہ اس شب میں عبادت کرنا گذشتہ امتوں کے ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے تو اعتکاف میں بیٹھنے والا بہر حال ان راتوں کو مسجد میں اور عورت اپنے گھر میں پا لیتی ہے۔

۷- "معتکف نہ چپ رہے نہ کلام کرے تو کیا کرے، یہ کرے، قرآن مجید کی تلاوت، حدیث شریف کی قرأت اور درود شریف کی کثرت، علم دین کا درس و تدریس، نبی ﷺ کے سیر و اذکار اور اولیا و صالحین کی حکایت اور دین کی کتابت۔ (الدر المختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ج:۳، ص:۵۰۷)

کہنے کے لیے تو بہت سی باتیں ہیں مگر اس وقت ان چند باتوں کو ہی بہت سمجھنا چاہیے، آج ہم زندہ ہیں، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں بڑی حد تک پر سکون ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ خیر عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ افراد کو اعتکاف میں بیٹھنے اور صحیح طریقے سے پورا کرنے کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

علمی تحقیق

چوتھی قسط

علومِ اسلامی میں

قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے کے عناصرِ ترکیبی اور تقاضے

خورشید احمد سعیدی

(۳) احادیث کے اقتباسات اور اُن پر حکم:

حدیث کیونکہ علوم اسلامیہ کے بنیادی مصادر میں سے دوسرے درجے پر ہے اس لیے حدیث کی نقل، اِس کے اعراب اور اس پر محدثین کے حکم کو بیان کرنے میں بھی خاص اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مروجہ صورت حال کیا ہے؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد سجاد نے اپنے طویل تجربات کی روشنی میں مقالہ نگاروں کے رویے پر بات کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے مقالہ نگاروں کی سب سے زیادہ سُستی یا کمزوری کا جو عمل دیکھنے میں آتا ہے وہ حدیث کے متعلق ہے۔ جہاں تک صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تعلق ہے تو اُن کا معاملہ دوسری کُتبِ حدیث سے مختلف ہے۔ اگر مقالہ میں کوئی حدیث صحیحین سے آجاتی ہے تو اس میں چلیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس پر کلام نہیں ، سوائے چند احادیث کے۔ لیکن اس کے علاوہ تمام مصادرِ حدیث سے لی جانے والی حدیث پر حکم لگانا ضروری ہوتا ہے۔ مقالہ نگاروں کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیث نقل کردیتے ہیں مگر اس پر حکم کی کوئی بات نہیں کرتے۔ یہ حدیث کس درجے کی ہے؟ اس سوال کا جواب دینا اور اس حدیث کی مکمل تخریج کرنا بہت ضروری اور مطلوب عنصر ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اُن ساری کتابوں کے نام لکھ دیئے جائیں جہاں سے حدیث آئی ہے بلکہ یہ بتایا جائے کہ اس پر محدثین کا حکم کیا لگا ہے؟ یہ کتنی معتبر حدیث ہے؟ یہ مشہور ہے، عزیز ہے، غریب ہے؟ اس میں کہیں کوئی ایسا پہلو ہو تو حواشی میں تخریج کے اندر آجانا چاہیے تاکہ آپ جن احادیث کو نقل کررہے ہیں اُن کی استنادی حیثیت اور مقام و مرتبہ معلوم ہوجائے۔

انٹرویو کے دوران جب میں نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا کہ حدیث پر حکم لگانا تو عام مقالہ نگاروں کے لیے ممکن نہیں ہے بالخصوص وہ جنہیں حدیث کے میدان میں تخصص کا درجہ حاصل نہیں ہے تو اُن کے لیے کوئی ایسی کتاب، کوئی ایسا طریقہ بتادیں جو انہیں اس سلسلے میں کام دے سکے، تو انہوں نے کہا کہ صحیحین سے لی جانے والی حدیث کا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی بات ہم پہلے کر آئے ہیں۔ صحاح ستہ کی باقی کتابوں میں ایک جامع ترمذی ہے۔ اس میں امام ترمذی خود بتاتے ہیں کہ حدیث کس درجے کی ہے۔ صحیح ہے، حسن ہے، غریب ہے۔ پھر سُنن کی جو کتابیں ہیں یعنی سُنن ابن ماجہ، سُنن ابی داؤد، سُنن نسائی ان کے بارے میں شیخ احمد شاکر سے لے کر شیخ ناصر البانی تک کی تحقیقات موجود ہیں۔ اس سے مقالہ نگار فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کثرتِ طرق سے کوئی حدیث اور جگہ سے بھی مل جاتی ہے تو اس جگہ حکم بھی موجود ہوتا ہے۔ آپ آج سند بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے سوفٹ ویئر موجود ہیں جن کی مدد سے آپ خود بھی رائے قائم کرسکتے ہیں کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے؟

(۴) املا، رسم الخط اور رموزِ اوقاف:

کسی بھی تحریر کی بہتر تفہیم کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ مقالہ نگار املاء، رسم الخط، رُموز اَوقاف اور رسمیات کا پورا لحاظ رکھے۔ بہتر ہوتا ہے کہ مقالے میں قرآنی آیات کا خط، عربی عبارات کا خط، فارسی اقتباسات کا خط اور اردو متن کا خط مختلف ہوں۔ راقم الحروف کے نزدیک آیاتِ قرآنی کے لیے المصحف یا محمدی فونٹ کا استعمال کرنا بہتر ہے۔ آیت کے کلمات کے اردگرد پھول دار چھوٹی بریکٹ استعمال کی جائے۔ عربی عبارات کے لیے ٹراڈیشنل عربیک کا فونٹ اختیار کیا جائے۔ اسی طرح فارسی زبان کے اقتباسات کے لیے جو فونٹ ان کے مناسب ہو اور اردو کے لیے جمیل نوری نستعلیق فونٹ کو ترجیح دی جائے۔ اس کے ساتھ متن میں اُردو رُموزِ اوقاف کے انتخاب اور مناسب استعمال کو مطلوبہ معیار تک برقرار رکھا جائے۔ سکتہ (،)، رابطہ (:)، وقفہ (؛)، قوسین () یا []، خط یا ڈیش (ـ)، نقطے (...)، لفظی اقتباس کے لیے واوین (" ")، وغیرہ کا درست استعمال کرے۔

زبان اور رموزِ اوقاف کے حوالے سے جو بڑے مسائل ایک جائزہ کار کو مقالات میں ملتے ہیں اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سجاد کہتے ہیں کہ فقرے بہت لمبے اور طویل ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ پورا پیراگراف بلکہ پورا صفحہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں کہیں فل اسٹاپ یا کامہ بالکل نہیں ہوتا۔ بات ختم ہوتی ہے 'اور' شروع ہوجاتا ہے، 'اور' ختم ہوتا

لیکچرر شعبہ تقابل ادیان، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز (اُصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ہے، 'چونکہ 'شروع ہوجاتا ہے، 'چونکہ 'ختم ہوتا ہے تو 'چنانچہ 'آجاتا ہے۔ یعنی وہ کہیں رُکتے ہی نہیں ہیں۔ مقالہ نگار اپنی بات میں سانس ہی نہیں لیتا۔ اس کی پوری عبارت میں معقول اور مناسب ربط نہیں ہوتا۔ اسی طرح تدوین کے مراحل اور مسائل ہیں۔ تدوینِ مقالات میں مقالہ نگار جو کرلیتا ہے مدیر بھی اس کو ویسے کا ویسے لے لیتا ہے چونکہ اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مقالہ نگار مقالہ کمپوز کرکے، خود سیٹ کرکے اور اپنے طور پر بنا سنوار کر بھیجتے ہیں۔ مدیر کے پاس اگرچہ وقت کی کمی اور تنگی ہوتی ہے لیکن مدیر کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ زبان بہتر کرے، مناسب تدوین کرے، وہ اس میں غیر مناسب الفاظ اور غیر علمی عبارات کو نکال دے یا انہیں بہتر کردے۔

اس سلسلے میں مقالہ نگاروں کے لیے رشید حسن خان کی کتاب ''اردو اِملا'' اوراعجاز راہی کی کتاب ''اِملاء ورموز اوقاف کے مسائل'' کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ (ملاحظہ ہو: رشید حسن خان، اردو املا، مجلس ترقی ادب لاہور، ط۱، ۲۰۰۷ء اور اعجاز راہی، اِملاء ورموز اوقاف کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ط۱، ۱۹۸۵ء۔)

کچھ اضافوں اور مناسب ترمیم کے ساتھ یہ بحث ڈاکٹر عبد الحمید عباسی کی کتاب ''اُصول تحقیق''، میں بھی ملتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: عبدالحمید خان عباسی، پروفیسر ڈاکٹر، اُصول تحقیق، (اسلام آباد: نیشنل بُک فاؤنڈیشن، ط ۲، 2015ء)، ص ۲۹۱۔۳۱۰ اور ص ۳۱۵۔۳۲۹)

اُردو زبان میں علوم اسلامیہ سے متعلق مقالہ لکھنے والے اِس کے باب ۱۳ اور ۱۴ کا مطالعہ ضرور کریں۔ اسی جگہ ایک اور بات کا دھیان رکھنا بھی مقالہ نگار کے لیے ضروری ہے اور وہ ہے زبر زیر پیش کا استعمال۔ جہاں کہیں خدشہ ہو کہ قاری کو کسی لفظ کا درست تلفظ معلوم نہیں ہو گا وہاں زبر، زیر، پیش، شدّ مد وغیرہ لکھ دینا چاہیے۔

(اس سلسلے میں طالب الہاشمی کی کتاب ''اصلاحِ تلفظ واِملا: صحیح بولیے۔ صحیح لکھیے''، القمر انٹر پرائزز، لاہور، س ن، کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہو گا۔)

کوئی ایسا لفظ یا اِصطلاح متن میں آجائے جس کے بارے میں گمان غالب ہو کہ قارئین کو اس کا مفہوم معلوم نہیں ہو گا تو حاشیے میں اس کی توضیح کردینی چاہیے تاکہ اس کی تحریر کا معیار بلند رہے اور ابلاغ میں کسی قسم کی رُکاوٹ باقی نہ رہے۔

(۵) تحقیقی مقالے کی زبان اور اُسلوب:

ایک قاری کو جو تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں ان کی زبان اور اُسلوب خطیبانہ، پُر آرائش، مبالغہ آمیز، لفاظی سے بھرپور، تناقض وتضاد کے عناصر پر مشتمل، ضعفِ استدلال، شاعرانہ رنگین بیانی والا، وغیرہ ہو سکتا ہے۔ مگر ایک تحقیقی مقالے کی زُبان اور اُسلوب کیسا ہونا چاہیے؟ پختہ مزاج محققین کے نزدیک مقالہ کی زبان عامیانہ اور بازاری نہیں ہونی چاہیے۔ مقالے کا اُسلوب نگارش خطیبانہ انداز اور تناقض وتضاد سے پاک ہونا چاہیے۔ استدلال میں کمزوری نہیں ہونی چاہیے۔

اسی تناظر میں ایک مسلمان محقق کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک نہیں بھولنا چاہیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (۷۰) يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب: ۷۰،۷۱)

ترجمہ: اے ایماندارو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور پختہ بات کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال درست فرمادے گا۔ اور تمھارے گناہ بخش دے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اور رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی پائی۔

معروف محقق سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''... راہ راست نہ چھوڑو اور سیدھی بات کرو، اس میں جھوٹ نہ ہو، فریب نہ ہو، چاپلوسی اور منافقت نہ ہو کہ کج زبانی بے شمار مصیبتوں کا اصل ہے۔ اگر زبان اور قول سچا اور صحیح رہے گا تو اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سنوار دے گا۔ تمہیں صلاحیت عطا فرمادے گا، تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا، یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محتشم علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت کرے گا تو وہ شاندار کامیابی و کامرانی پائے گا۔'' (سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، جمال الایمان تا مفاہیم القرآن، ص ۹۴۴)

اس سلسلے میں ڈاکٹر نثار احمد قریشی نے معروف محقق عبدالرزاق قریشی کی ایک قابل قدر بات نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''تحقیقی مقالہ چونکہ واقعات وحقائق پر مبنی ہوتا ہے اس لیے اس میں لفاظی یا افسانہ طرازی، خطابات یا شاعرانہ رنگین بیانی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ یہ باتیں مقالے کی عظمت کو کم کرتی ہیں۔'' (ڈاکٹر نثار احمد قریشی، ''تحقیق میں زبان اور اُسلوب کی اہمیت'' مشمولہ (عطش دُرانی، اُردو تحقیق: منتخب مقالات، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ط۱، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۰۰)

نثار احمد قریشی بھی اسی بات کی تائید میں لکھتے ہیں:

''کسی بھی تحقیقی کارنامے میں زبان اور اُسلوبِ بیان کی اہمیت

بنیادی اور اساسی ہے اور اُسے نظر انداز کرنے سے تحقیق اپنے مقام ومرتبے سے گر جاتی ہے۔" (ایضاً، ص ۱۹۹)

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ایک جگہ حکم دیا ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ، وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ النحل، آیات نمبر ۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ: اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور اُن پر حجت قائم کیجئے احسن طریقہ سے، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔ اور اگر تم اُنہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی، اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر بہت اچھا ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔

اسی آیت مبارکہ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں:

"یہی ہمارا اُصول شائستگی ہے جس کا مقصد تحریر وتقریر میں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ایسے الفاظ سے پرہیز کیا جائے جس سے سُننے والے اور پڑھنے والے کی دل آزاری ہو سکتی ہو۔ گفتگو اس انداز میں ہو کہ بات کہنے اور سُننے والے کے درمیان دُوری کا اِمکان نہ رہے۔ اگر فاصلے ہیں تو کم ہو جائیں۔ کسی کی تضحیک نہ ہو اور استہزا کا رنگ نہ آئے۔ اس طرف منطقی بھی توجہ دلاتے ہیں کہ اپنی بات قبول کرانے کے لیے اپنی دلیل میں دوسروں کو نشانہ نہ بنائیں۔ نہ اپنی مظلومیت کا مظاہرہ کرکے بات منوانے کی کوشش کی جائے۔" (ڈاکٹر قاضی عبدالقادر، تصنیف وتحقیق کے اُصول، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ط۱، ۱۹۹۲ء)، ص ۵۳)

اپنے اس بیان میں ڈاکٹر قاضی عبد القادر نے بہت خوبصورت بات کی ہے۔ اس میں انہوں نے مؤثر تحریر کی خوبیاں اور مقالہ نگار کی بہترین فکر کی وضاحت کی ہے۔ اسی سوچ کو قدرے سادہ انداز میں مگر بعض ضروری اُمور کا اضافہ کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی کہتے ہیں کہ اتنی بات کافی نہیں ہے کہ مقالہ کا موضوع بہت اچھا ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اُسے کس انداز میں پیش کیا گیا ہے؟ مثلاً قرآن کی دعوت کے جو اُصول ہیں اُن میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جو بات ہے وہ وزنی ہو لیکن بات کا صرف وزنی ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ بات آپ احسن طریقے سے کریں۔ یعنی آپ کا اپنی تحقیق کو پیش کرنے کا انداز بھی بہت اچھا ہو۔ تحقیق کے جو تقاضے ہیں، جو اسلوب ہیں، جو انداز ہے، جو آداب ہیں، گفتگو کرنے کا جو سلیقہ ہے ان تمام چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔

اُسلوب کے حوالے سے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آپ پہلے اپنے مخاطبین اور قارئین متعیّن کر لیتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ جن لوگوں کی طرف آپ کا روئے سُخن ہے وہ اگر ایک علمی حلقہ ہے تو آپ کا اسلوب تھوڑا علمی ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کے مخاطبین عوام الناس ہیں تو آپ کا اسلوب زیادہ سلیس اور سادہ ہونا چاہیے۔ یہ چیزیں موقع محل اور موضوع کی مناسبت سے دیکھی جاتی ہیں۔

اِن دونوں محققین کی باتوں میں مقالہ کی زبان اور اُسلوب کے حوالے سے بہت عمدہ نکات سامنے آگئے ہیں۔ نوآموز مقالہ نگار اِن پر عمل کرنے سے اپنے مقالے کو جاندار بنا سکتے ہیں۔ وہ اپنے قاری کو مسلسل اپنی جانب متوجہ رکھیں۔ ایسا اُس صورت میں ممکن ہوتا ہے جب الفاظ اور جملوں کی ترتیب اور بناوٹ میں کوئی خلل نہ ہو۔ اجزائے کلام یعنی اسمائے اشارات، ضمائر، فاعل، افعال، مفعول، حروف عطف، اضافتیں، مترادفات، مرکبات توصیفی، مرکبات اضافی، وغیرہ سب اپنے درست مقام پر لکھے جائیں۔ اِن سب کے استعمال میں واحد جمع اور مذکر مؤنث کی دُرستی کا پورا خیال رکھا جائے۔ جملوں کی اقسام پر پوری توجہ رہے۔ دیکھا جائے کہ جملہ خبریہ، جملہ انشائیہ، جملہ سوالیہ، جملہ استعجابیہ، وغیرہ اپنے لوازمات کے ساتھ برمحل استعمال ہوئے ہیں۔ اِن جملوں میں جن شخصیات کا ذکر ہو اُن کے علمی مقام، قومی ودینی خدمات، ملی کردار وغیرہ کا مناسب القابات سے اظہار کیا جائے۔

اِس لیے مقالہ نگار بار بار خود سے پوچھے کہ جن الفاظ وتراکیب کا اس نے چناؤ کیا ہے اور جملوں کی جو ساخت اس نے اختیار کی ہے کیا اُن سے اس کی تحقیق کا پیغام قارئین تک پہنچ جائے گا؟ کیا اس مثبت پیغام سے تعمیری نتائج اور مطلوب اثرات کی قوی امید لگائی جا سکتی ہے؟ ان سوالات کے پیش نظر جہاں محسوس ہو اُسے اپنے الفاظ، اصطلاحات، تراکیب، اور جملوں کی ساخت میں مطلوبہ اصلاح اور ترمیم کرنا چاہیے اور کوئی رخنہ باقی نہ رہنے دیا جائے۔ اس سے مقالہ کی اشاعت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

(۶) صحت متن:

مقالے کی کمپیوٹر کمپوزنگ میں کئی طرح کی غلطیاں رہ جاتی

ہیں۔ مثلاً کسی لفظ کا آخری حرف اگلے لفظ کے پہلے حرف سے جڑ جاتا ہے؛ کسی لفظ کا دوسرا جزیا آخری حرف اگلی سطر میں چلا جاتا ہے؛ ح کو ھ اور ذ کو ز لکھ دیا جاتا ہے؛ بعض اوقات کاپی پیسٹ کرتے وقت ضرورت سے کم یا زیادہ متن کاپی پیسٹ ہو جاتا ہے۔ اِن تمام غلطیوں سے مقالہ کو پاک اور صاف ہونا چاہیے۔ مزید برآں، الفاظ کے درمیان فاصلہ دُرست اور پیراگرافوں کی لمبائی میں توازن ہونا چاہیے۔ ہر پیراگراف کی پہلی سطر کو مناسب فاصلہ یا ایک ٹیب(tab) دے کر لکھنا چاہیے اور ایسا ہر پیراگراف کی پہلی سطر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ جہاں مختلف نکات بیان کرنا ہوں وہاں اعداد کا استعمال ضرور کرنا چاہیے۔ ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایسی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں جو مقالے کے پیغام کو قارئین تک پہنچانے میں حائل ہو سکتی ہیں۔

(۷) رَسمیاتِ مقالہ:

رسمیاتِ مقالہ سے یہاں اَیسے اُصول و ضوابط مراد ہیں جن کا محققین کے ہاں رواج بن چکا ہے، جو تحقیقی اداروں میں مقبول ہو چکے ہیں۔ ان کا تعلق معلومات سے ہے۔ یہ کہاں سے، کیسے، کون سی اور کتنی اخذ کی جائیں گی؟ ان میں سے کون سی معلومات مقالات میں پیش کرنا ضروری سمجھی جاتی ہیں؟ انہیں پیش کرنے کا طریقہ اور ترتیب کیا ہے؟ وغیرہ۔

جب ایک محقق تحقیقی موضوع پر کام کرنا شروع کرتا ہے تو اسے جو مواد ملتا ہے اس کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک جلد پر مشتمل کتاب، ایک سے زیادہ جلدوں پر مشتمل کتاب، کئی جلدوں پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا، تحقیقی مجلہ میں شائع شدہ مقالہ، اخبار، ماہنامہ رسالہ، سہ ماہی جریدہ، شش ماہی مجلہ، سالنامہ، انٹرویو، سوالنامہ، ٹی وی یا ریڈیو پر نشر ہونے والا مباحثہ، خط، مسوّدہ یا مخطوطہ، وغیرہ۔ اسی طرح ان میں سے کسی بھی ماخذ کا ایک مصنف، مؤلف، مرتب، ایڈیٹر، مترجم بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ بھی۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی محقق کو ایک ماخذ سے ایک یا زائد اقتباسات کی ضرورت محسوس ہو۔ اقتباسات کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ متن کے کسی لفظ یا اصطلاح کی وضاحت کے لیے حاشیے یا تعلیق کی ضرورت ہو۔ اِن تمام معاملات کے اپنے اپنے تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ مزید برآں مقالہ نگار کو زیرِ صفحہ یا مقالہ کے آخر میں حوالے پیش کرنا ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حوالہ، حاشیہ، تعلیق وغیرہ میں کن کن معلومات کو پیش کرنا لازم ہوتا ہے اور یہ کہ ان معلومات کی ترتیب میں کن تقاضوں کو پورا کرنا تحقیقی کام کا ناگزیر حصہ ہوتا ہے۔

یہ بہت اہم امور ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مقالہ نگاران اُن کتب کی طرف رجوع فرمائیں جن میں ان امور پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ علوم اسلامیہ کے متعلق مقالہ لکھنے والے نَوآموز تحقیق کاروں کے لیے ڈاکٹر عبد الحمید عباسی کی کتاب ”اصول تحقیق“ کے باب ۱۵ اور ۱۶ کا مطالعہ بہت فائدہ دے گا۔

پورے مقالہ میں مقالہ نگار ضروری جگہوں پر حاشیے لکھے۔ تعلیقات سے اپنی گفتگو کو واضح اور پختہ بنائے۔ اقتباسات کی صحت کا مکمل خیال رکھے۔ لفظی اقتباس مصدر کی چھ سطروں سے زائد نہ ہو۔ حوالہ جات میں ہر اقتباس کی سند یعنی مصدر و مرجع کی مکمل معلومات رائج طریقے اور ترتیب سے پیش کرے۔ قرآن مجید کی آیات کے حوالے درست دے اور آیات پر زبر زیر پیش وغیرہ حرکات بھی درست لگائے۔ حدیث کے متن کی دُرستی کا یقین کیا کرے۔ حدیث کا حوالہ تخریج حدیث کے اُصولوں کے مطابق پیش کرے۔ باقی مصادر و مراجع کی معلومات میں بھی کسی غلطی اور خطا کا شکار نہ ہو۔ فُٹ نوٹس یا اختتامی نوٹس میں حوالہ کے پورے عناصر متداول ترتیب سے ذکر کرے۔ مزید برآں، جیسے انگریزی زبان کی کتاب کا نام، حوالہ اور اس کی متعلقہ معلومات کو انگریزی حروف اور خط میں لکھا جاتا ہے اسی طرح عربی زبان کی کتاب اور اس کی متعلقہ معلومات کو بھی عربی رسم الخط (فونٹ) میں لکھنا چاہیے۔ یہی طریقہ اُردو زبان کے مصادر و مراجع کی معلومات درج کرنے میں بھی اختیار کرنا چاہیے۔

(۸) مقالے میں مذکور شخصیات کا علمی تعارف:

مقالہ میں جن شخصیات کے نام متن یا حاشیہ میں وارد ہوں مقالہ نگار اُن میں سے ہر ایک کے سنہ پیدائش و وفات یا دونوں میں سے جو دستیاب ہو پوری ذمہ داری کے ساتھ دُرست لکھے۔ ہجری سنہ اور اس کے مطابق عیسوی سنہ بھی لکھے۔ اُن میں سے ہر ایک کے لیے بھی تعارفی جملے لکھے۔ اُن کی وجہ شہرت اور اہمیت ضرور بیان کرے۔ اس چیز کو عربی محققین شخصیات کے تراجم کہتے ہیں۔ اُردو زبان میں لکھے جانے والے مقالات میں بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

..................................(جاری)

☆☆☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ **محمد نظام الدین رضوی** کی زبانِ فیض ترجمان سے

یہ مسائل عرس عزیزی ۱۴۳۹ھ کے سوال و جواب کے سیشن میں پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں، جسے مولانا محمد اعظم مصباحی متعلّم درجۂ تحقیقِ ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے موبائل سے نقل کر کے ادارہ کو ارسال کیا۔ افادیت کے پیشِ نظر اسے اس کالم میں شامل کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

صدر اجلاس، منبر نور پر جلوہ افروز علماے کرام بالخصوص حضرت سید نجیب ملت دامت برکاتہم القدسیۃ اور جملہ برادران اسلام السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

نحمده و نصلي على رسوله الكريم أما بعد فقد، قال رسول الله ﷺ: "إنه جبرئيلُ أتاكم يعلمكم دينكم" رواه الإمام مسلم في صحيحه.

حضرات یہ محفل اُس محفل کی یاد تازہ کرتی ہے جو چودہ سو برس پہلے حضور سید عالم تاجدار بنی آدم و آدم ابي و اُمّي فداہ ﷺ کے عہد پاک میں منعقد ہوا کرتی تھی، آپ بسا اوقات کھلی جگہ میں تشریف فرما ہوتے، صحابہ کرام کا مقدس مجمع ہوتا وہ حضرات، دین کی ضروری باتیں پوچھتے اور سرکار علیہ الصلاۃ و السلام اپنی زبان پاک سے ان کے جوابات عطا فرماتے، یہ اسی سنت نبویہ کی پے روی ہے۔ اب ہم سوالات سنیں گے اور ان شاء اللہ العزیز ان کے جوابات بھی شریعت کی روشنی میں عرض کریں گے۔

پہلا سوال: پیدائش کے وقت اذان کیوں دی جاتی ہے۔

جواب: پیدائش کے وقت اذان اس لیے دی جاتی ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے انگلی چبھوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ رونے لگتا ہے۔ سوائے انبیاے کرام اور اولیاء اللہ کی پاکیزہ جماعت کے عام انسانوں کا حال یہی ہے کہ شیطان انسان کو پیدا ہوتے ہی پریشان کرنا شروع کر دیتا ہے تو اسلام نے ہمیں اس سے بچنے کا اور اسے بھگانے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ تم اذان دینا شروع کرو وہ بھاگ جائے گا۔ حدیث پاک میں وارد ہے حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان چھتیس میل دور بلند آواز سے ہوا خارج کرتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔

دوسرا سوال: کیا کسی مذہب میں بغیر محرم کے حج یا عمرہ کے سفر کی اجازت ہے؟

جواب: عام طور سے تمام مذاہب کا اجماع ہے کہ بغیر محرم یا پھر بغیر شوہر کے عورت کو سفر کی اجازت نہیں ہے، ہاں خاص حج کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حج اگر عورت پر فرض ہو جائے اور اس کا شوہر نہ ہو، کوئی محرم بھی نہ ہو، تو وہ ذمہ دار قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے، یہ چھوٹ صرف حج کا فریضہ ادا کرنے کے لیے ہے، ان کے مذہب میں بھی نفل حج کے لیے بغیر محرم اور شوہر کے جانے کی اجازت نہیں اور عمرہ کے لیے بھی اس طرح جانے کی اجازت نہیں ہے، زندگی میں صرف ایک بار حج فرض ہے، ایک بار عورت نے حج ادا کر لیا تو فرض ادا ہو گیا، اس کے بعد وہ زندگی میں کبھی بھی بغیر شوہر، بغیر محرم کے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی حج کے لیے سفر نہیں کر سکتی اور عمرہ کے لیے تو کبھی بھی سفر نہیں کر سکتی۔ اور سراج الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حج فرض ہو جائے تو ہو جائے اور عورت کے لیے شوہر نہ ہو، اور کوئی محرم بھی نہ ہو اس پر حج ادا کرنا فرض نہیں۔ "محرم" کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کا نکاح جس کے ساتھ

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیامت تک حرام ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی یہ محرم ہیں ۔تو جس عورت کا شوہر بھی نہ ہو اور بیٹا، باپ، بھائی وغیرہ محرم بھی نہ ہوں۔ اس کے اوپر حج ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ یہ مل جائیں گے تو حج ادا کرنا فرض ہوگا اور نہیں ملیں گے تو اس کے اوپر حج کی ادائگی فرض نہیں ہوگی، وہ گھر پر رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اجر سے اس کو سرفراز فرمائے گا، مگر بغیر محرم یا بغیر شوہر کے حج فرض کو جانا جائز نہیں، وہ سفر پر جائے گی تو ہر قدم پر اس کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اس لیے کبھی بھی کوئی مسلمان عورت ایسی جرأت نہ کرے کہ وہ بغیر محرم کے یا بغیر شوہر کے حج کرنے نکل جائے، ہندوستان میں عام طور پر حنفی بستے ہیں، اور یہ علاقہ تو سب کا سب حنفیوں کا ہے اور حنفی مذہب میں عورت کو بغیر شوہر یا بغیر بیٹا، باپ، بھائی کے حج پر جانا حرام ہے، اس لیے آپ لوگ اپنی بہنوں، بیٹیوں، بیویوں پر توجہ کریں، ان کو سمجھائیں۔ حکومت اجازت دیتی ہے آپ کو مجبور تو نہیں کرتی ہے، عمل کرنا آپ کا کام ہے اگر آپ اپنی شریعت پر عمل کرنا چاہیں گے تو حکومت کی جانب سے آپ پر جبر نہیں کیا جائے گا۔

تیسرا سوال: ایک سوال ہے، اس میں کچھ ابہام بھی ہے کہ تین طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟ معلوم نہیں کہ اس سے سائل کا مقصد کیا ہے ایک نشست میں تین طلاق کے تعلق سے پوچھنا چاہتا ہے یا الگ الگ طہر میں ایک ایک طلاق کے تعلق سے یہ سوال ہے؟

جواب: ظاہر ہے کہ لوگ جس طرح طلاق دیتے ہیں اسی سے اس سوال کا تعلق ہے، لوگ انتظار کہاں کرتے ہیں ایک ہی ساتھ ایک ہی نشست میں تینوں طلاقیں دے بیٹھتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ”حضور سید عالم ﷺ کو خبر دی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے دیں، تو رسول اللہ ﷺ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا میرے رہتے ہوئے کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے“۔ اور جس سے رسول اللہ ﷺ ناراض ہو جائیں اس سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی کا جائزہ لیں، اگر کبھی کبھار اتفاقیہ ان سے بھول چوک سے ایک دو دفعہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے خلاف کام ہو گیا تو فوراً انھیں تکلیفوں کا، مشقتوں کا اور شکست کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ غزوۂ احد وغزوۂ حنین کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اور آج ہماری قوم سرکار کی نافرمانی میں لگی ہوئی ہے، سنت سے دور ہے اور خاص طور پر طلاق کے مسئلہ میں، تو ایسی صورت میں اگر ہم پریشانیوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو جائیں تو یہ ہمارے اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے، ہمیں دوسروں پر الزام نہیں دینا چاہیے۔ آج ہمارے اوپر جو بھی مصیبتیں آئی ہیں یہ ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ مسلمانو! سنت کا اتباع کرو اور ہر کام میں تلاش کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ اسی کے مطابق چلو، تمھارا معاشرہ اچھا معاشرہ بن جائے گا، تمھاری زندگی کامیاب زندگی بن جائے گی اور دنیا تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

طریق مصطفٰے کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی
ہمیں کرنی ہے شاہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

تین طلاق پر فوراً کنٹرول کیا جائے، کہیں بھی کسی بھی گھر میں ہرگز ہرگز تین طلاقیں نہ دیں اور اگر نوبت آ گئی ہے تین طلاق دینے کی، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت جب پاک ہو اور پاکی کے زمانے میں اس کے شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ قربت نہ کی ہو اس زمانہ میں یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے ایک طلاق بائن دی اس سے اچھا یہ ہے کہ کسی عالم دین کے پاس دارالافتاء میں جائیں ان سے کہہ کر لکھوالیں کہ میں نے تجھے ایک طلاق بائن دی اتنے سے کام چل جاتا ہے اس کے آگے بڑھنا حماقت اور نادانی ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، مسلمانوں ابھی قانون پاس نہیں ہو سکا ہے اور میں سمجھتا ہوں آپ نے ایک ساتھ تین طلاق دینے سے توبہ کر کے اللہ و رسول اللہ کو راضی کر لیا تو اب بھی وہ تجویز مسترد کی جا سکتی ہے۔

چوتھا سوال: شادیوں میں جہیز مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ بعض علاقوں میں اس کے بغیر شادی کا تصور ہی نہیں، یہاں تک کہ غریب خاندان کے لوگ لڑکیوں کی شادی میں جبری جہیز دینے کے لیے زمین جائداد بیچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جواب: شادیوں سے پہلے یا شادی کے بعد جہیز کا مطالبہ کرنا حرام اور گناہ ہے، یہ مطالبہ حقیقت میں رشوت کا مطالبہ ہے، جسے نام دے دیا گیا ہے جہیز کا، یہ در حقیقت جہیز نہیں، رشوت ہے۔ اگر

کوئی شخص شراب کا نام شربت رکھ دے تو شربت کہہ دینے سے شراب حلال نہیں ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص بکری کو خنزیر کہہ دے تو خنزیر کہہ دینے سے بکری حرام نہیں ہو جاتی۔ سنیے! ہمارے پیارے رسول ﷺ کیا فرماتے ہیں:

"الراشي والمرتشي في النار"

رشوت لینے والا بھی جہنمی ہے اور دینے والا بھی جہنمی ہے۔

یہ جہیز جو رشوت ہے حقیقت میں، جو دے گا وہ بھی جہنمی ہو گا، جو لے گا وہ بھی جہنمی ہو گا۔ مسلمانو! آئے دن تم شادیوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ رہے ہو۔ اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہو اور پھر بھی کہتے ہو کہ ہم پر رحمت کیوں نازل نہیں ہوتی ہے۔ اللہ تو فرماتا ہے:

"إن رحمة الله قريب من المحسنين"

اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

تم بد ہو گئے تو رحمت قریب کہاں سے آئے گی۔ توبہ کر لو، اس طرح کے جہیز کی لعنت پر فوراً کنٹرول کر لو، جبری جہیز لینا دینا اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو اور طرح طرح کی بلاؤں کو حلال کرنا ہے۔ مسلمانو! سنبھلے نہیں، مانے نہیں تو ابھی بلائیں کم آ رہی ہیں آنے والے دن اس سے بھی برے ہوں گے۔ اعلان تو یہ ہوا ہے کہ "اچھے دن آرہے ہیں" مگر تمھارے لیے تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے برے دن شروع ہو گئے ہیں۔

پانچواں سوال: باپ کی جائداد میں صرف لڑکے ہی وارث ہوتے ہیں یا لڑکیوں کا بھی کچھ حصہ ہے؟ یہ جو ہندوستان کے اکثر علاقوں میں لڑکیوں کو لوگ میراث سے حصہ نہیں دیتے اور لڑکیوں کا مطالبہ کرنا معیوب سمجھتے ہیں اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: یہ مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ نہ جانے مسلمانوں میں یہ بلا کہاں سے آگئی کہ لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، قرآن پاک نے لڑکیوں کے لیے بھی حصہ مقرر کیا ہے اور لڑکوں کے لیے بھی حصہ مقرر کیا ہے۔ فرق یہ ہے لڑکوں کے لیے لڑکیوں کے حصے کا دونا ہے اور لڑکیوں کے لیے لڑکوں کے حصے کا آدھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا شوہر بنتا ہے تو اس پر اپنا بھی خرچ آتا ہے اور بیوی کا بھی خرچ آتا ہے اور لڑکی بیوی بنتی ہے تو اس کا اپنے ذمہ کوئی خرچ نہیں ہوتا، اس کا اپنا خرچ بھی شوہر کے ذمہ چلا جاتا ہے، بہر حال لڑکی کے لیے بھی حصہ ہے اور لڑکے کے لیے بھی حصہ ہے، فرق بس یہ ہے کہ لڑکی کے لیے لڑکے کے حصے کا آدھا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص مرا اور اس نے ترکہ میں تین روپے چھوڑے اور اس کے وارثین میں ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی، تو دو روپیہ مل جائے گا لڑکے کو اور ایک روپیہ لڑکی کو۔

الحمدللہ! جہاں جہاں علمائے اہل سنت کی رسائی ہے وہاں وہاں یہ سنت زندہ ہے اور یہ سنت جاری ہے اور جہاں جہاں لوگ علمائے اہل سنت سے فیض یاب نہیں ہو رہے ہیں وہاں جہالت اور تاریکی ہے۔ مسلمانو! علما سے مسئلہ معلوم کر کے ان کو پورا پورا حصہ دو، ان کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے، دوسرے کا حق مارتے کیوں ہو، دوسرے کا حق مار کر تم کبھی امن کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم نے بہت اچھا کام کیا، برکت کہاں سے آئے گی جب تم نے حرام مال اپنے حلال مال کے ساتھ ملا کر رکھا ہے، برکت اس وقت آتی ہے جب مال خالص حلال ہو، لیکن جب حلال کے ساتھ حرام ملا لو گے تو برکت کہاں سے آئے گی تمھارے لیے ضروری ہے کہ یہ ظلم اور زیادتی بند کرو۔

چھٹا سوال: چوری کی لائٹ (بجلی) سے کھانا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: چوری تو چوری ہے۔ چوری اسی وقت ہو گی جب اس کو استعمال میں لائیں گے، ہیٹر جلائیں گے تو چوری ہے، پانی چلائیں گے تو چوری ہے، جب تک استعمال نہ کریں چوری نہیں۔ موٹر چلانا ہیٹر چلانا چوری ہے اور چوری حرام اور گناہ ہے۔ حدیث پاک میں حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مومن جس وقت چوری کرتا ہے مومن نہیں رہتا" کتنی سخت بات فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے۔ مسلمانو! اس کو یاد رکھو اور ہرگز ہرگز یہ بجلی چاہے حکومت کی ہو یا کسی پرائیوٹ کمپنی کی ہو چوری سے نہ استعمال کرو، حکومت کی چوری بھی چوری ہے، کسی پرائیوٹ کمپنی کی چوری بھی چوری ہے، اور کسی آدمی کے گھر سے لائٹ کی چوری بھی چوری ہے، وہ بھی حرام، یہ بھی حرام اور یہ سب حرام و گناہ ہے۔

ساتواں سوال: رمضان شریف میں علما و حفاظ مدارس اسلامیہ کی جانب سے زکات وغیرہ کی وصولی کے لیے جاتے ہیں اور

اپنے طور پر وہ روپیہ اکٹھا کر کے بغیر حیلہ شرعی کے خرچ کرتے ہیں، یا اپنی محنت کے حساب سے دس فیصد جیب میں رکھ کر خرچ کرتے ہیں اور بقیہ مدرسہ میں جمع کرتے ہیں ایسی صورت میں زکات دینے والے کی زکات ادا ہوئی یا نہیں؟ اگر ادا نہیں ہوئی تو اس سفیر کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور مدارس اسلامیہ کا بغیر حیلہ شرعی کے مختلف کاموں میں رقم استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: سائل نے ان لوگوں کو عالم کے نام سے موسوم کیا ہے یہ لوگ ٹوپی اور لباس کے لحاظ سے عالم ہو سکتے ہیں مگر حقیقی معنوں میں اور صحیح معنوں میں یہ لوگ عالم نہیں، کل آپ نے علماے سو کے بارے میں سنا تھا یہ لوگ بھی اسی میں سے ہیں۔ زکات کی جو رقم وصول کرتے ہیں انھیں سفیر کہیے یا محصل کہیے، یہ محصلین اور سفرا جو شہروں میں اور آبادیوں میں جا کر زکات اور فطرے کی رقم وصول کرتے ہیں ان پر فرض ہے کہ وہ پوری رقم مدرسے میں لا کر جمع کریں، اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے لیے خرچ نہ کریں۔ کیوں کہ یہ خیانت ہے اور حرام و گناہ۔ یہ کام کوئی عالم کرتا ہے تو بھی حرام و گناہ، کوئی جاہل کرے تو بھی حرام و گناہ اور مدرسے والے خود کریں تو بھی حرام و گناہ ہے، یہ سب خیانت ہے اس وجہ سے حرام ہے، **ایک وجہ** حرام ہونے کی یہ ہوئی۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ محصل نے خرچ کر لیا تو وہ رقم ہلاک ہو گئی تو یہ رقم حقیقت میں زکات دینے والے کی ہلاک ہوئی، سفیر نے اس کی رقم ہلاک کر دی اب یہ اپنے پاس سے زکات دے گا تو زکات نہیں ادا ہوگی، یا کسی بھی طور سے دے گا تو اس کی زکات ادا نہیں ہوگی۔ اس پر فرض ہے کہ زکات جس کے یہاں سے لایا ہے اس سے کہہ دے کہ غلطی سے یا میری بھول سے مثلاً پانچ ہزار روپے میرے خرچ میں آ گئے ہیں تم اجازت دو کہ میں اپنے پاس سے تمھاری طرف سے اس فرض کو ادا کر کے مدرسے میں جمع کر دوں۔ اگر وہ اجازت دے گا اور یہ جمع کریں گے تو یہ زکات ادا ہوگی اور جب تک اجازت نہ دیں گے اس وقت تک خود سے ادا کر دینے سے زکات ادا نہ ہوگی، اور اگر وہ خود جمع نہیں کرتے ہیں اور اپنا حق سمجھ کر رکھ لیتے ہیں اور باقی جمع کر دیتے ہیں تو یہ دو وجہوں سے حرام و گناہ ہے۔ **ایک** تو اس لیے کہ خیانت ہے، اور دوسرے اس لیے کہ جس کا مال زکات لے کر آئے ہیں اس بے چارے کی زکات نہیں ادا ہوگی۔ وہ تو نہیں جانتا ہے اس لیے اللہ اسے معاف فرمائے، یہ تو جانتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سخت ماخوذ ہوں گے اور عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔ ٹھیک یہی حکم ان مدرسہ والوں کا بھی ہے جو بغیر حیلۂ شرعیہ کے مدرسہ کے امور میں خرچ کریں۔

آٹھواں سوال: جو لوگ "حسام الحرمین" کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے ان میں سے بعض اپنے آپ کو مصباحی بھی کہتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: حسام الحرمین کیا ہے، یہ ایک کتاب مستطاب ہے جس کو مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے مرتب فرمایا اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دنیا کے دوسرے بڑے علما نے اس کی تصدیق کی، اس کتاب میں قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ:

☆- **جو بدمذہب ضروریات دین میں سے کسی ایک ضروری دینی کا انکار کرے اس کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جاتا ہے۔**

☆- **اسی طرح کوئی شخص حضور سید عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، توہین رسالت کا کلمہ بکے تو وہ بھی خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔**(۱)

قرآن شاہد ہے، احادیث صحیحہ شاہد ہیں اور ساری امت مسلمہ کا اجماع شاہد ہے کہ جو شخص بھی ضروریات دین میں سے کسی ضروری دین کا انکار کرے، توہین رسالت کا مرتکب ہو اس کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جاتا ہے، وہ دیکھنے میں اگرچہ ہمارے جیسا ہو مگر وہ ہمارا نہیں ہے، اس کا مذہب الگ ہے اور ہمارا مذہب الگ ہے، اس لیے اگر کوئی کہتا ہے کہ اس میں نظر ثانی ہونی چاہیے تو یہ اس کی سخت نادانی ہے، ایسے مسائل میں کسی طرح سے نظر ثانی کی کوئی حاجت و ضرورت نہیں ہے، یہ تو قطعی اجماعی مسائل ہیں، ان میں کوئی شک و شبہہ ہی نہیں۔ لہٰذا ایسا شخص اہل سنت و جماعت کے مسلک سے خارج ہے، وہ مسلک اہل سنت و جماعت سے نہیں ہے، اور اگر ایسا کوئی شخص اپنے آپ کو مصباحی کہتا ہے تو اس کا مصباحی کہنا غلط ہے اور

---

(۱)- حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ان دونوں مسائل کو اجماعی کہا ہے، لیکن جن کے دلوں میں کجی ہے وہ بات کو گھما کر کسی اور طرف پھیر دیتے ہیں، خداے پاک انھیں عقل سلیم اور توفیق ادب دے۔ آمین۔ (مرتب)

لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے، اور فریب دینا ہے، ہم یا ہمارا جامعہ جب اپنے کسی فارغ التحصیل کو سند جاری کرتے ہیں تو اس سے پہلے ہم ایک عہد واثق (پکّا، پختہ عہد) لیتے ہیں کہ وہ مسلک اہل سنت و جماعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گا، اگر وہ اس سے منحرف ہوگا تو اہل سنت سے خارج اور منحرف ہوتے ہی اس کی سند خود بہ خود مسترد ہو جائے گی، اور مصباحیت کے پاکیزہ زمرے سے اس کا نام خود بہ خود خارج ہو جائے گا، اگر ہماری صفوں میں کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہے جو "حسام الحرمین" کے فتوی کو چیلنج کرتا ہے، یا کہتا ہے کہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے تو وہ ہمارا نہیں ہے، اہل سنت و جماعت سے خارج ہے، پھر وہ کیا ہے؟ آپ کی مرضی، جو نام دینا چاہتے ہیں دے سکتے ہیں، ہاں! از راہ شفقت ہم اتنا کہتے ہیں کہ کسی کے دل میں شیطان نے ایسا وسوسہ ڈال رکھا ہے تو جامعہ اشرفیہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے، وہ یہاں کے کسی استاد سے مل کر اپنا شک دور کر سکتا ہے اور جب تک ایسا نہ کرے اس وقت تک ہم وہی کہیں گے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تھا کہ "ہم اس سے بیزار ہیں"۔ وہ ہم سے الگ ہے۔(۱)

نواں سوال: کیا اسلام میں دینی تعلیم کے علاوہ عصری شعبوں اور محکموں مثلاً طب، انجینئرنگ، پولس اور ہوٹلوں میں ملازمت کی اجازت ہے؟

جواب: اسلام نے ان تمام علوم کی اجازت دی ہے، سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی دانش گاہ سے جو لوگ فارغ ہوتے تھے وہ بہت کچھ علوم واوصاف کے جامع ہوتے تھے۔ اس لیے آپ ڈاکٹر بھی بن سکتے ہیں، انجینئر بھی بن سکتے ہیں اور پولس کے محکمہ میں بھی جا سکتے ہیں، کمپنی کی ملازمتیں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ مقننہ میں جائیے، عدلیہ میں جائیے، انتظامیہ کی ملازمت حاصل کیجیے سب کی اجازت ہے۔ صرف اتنی گزارش ہے کہ ہمارے سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا ہے کہ علم دین حاصل کرنا فرض ہے تو جس قدر علم دین حاصل کرنا فرض ہے اتنا کم از کم ضرور حاصل کر لیجیے کہ آپ کے ہاتھوں میں کتاب اللہ کی روشنی ہو، سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی ہو پھر جس محکمہ میں جانا چاہتے ہیں جائیں تو آپ کے ذریعہ ملت کو فائدہ پہنچے گا۔

مسلمانو! ایک آخری پیغام سن لو کہ آج ہمارے اندر جذبۂ برداشت نہیں ہے، آپ اپنے اندر برداشت کا جذبہ پیدا کر لیں، آپ کے سامنے کیسا بھی مسئلہ پیش آئے برداشت کر لیں تو بہت سی تباہیاں اور بہت سے فسادات رک جائیں گے۔ علوم حاصل کر کے اپنے کو روشنی میں لائیے علم دین بقدر ضرورت حاصل کر کے عصری علوم حاصل کیجیے، ہر شعبہ میں جائیے، ہر شعبہ آپ کا انتظار کر رہا ہے، آپ پہنچ جائیں گے تو یہ دنیا ایک اچھی دنیا ہوگی اور آج پھر امن و شانتی سے آباد ہو جائے گی۔ دنیا کو امن و شانتی کا گہوارہ بنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ پہنچ جائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کام ہو جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

سدھارتھ نگر میں

مولانا مختار احمد قادری

دار العلوم امداد العلوم،

Matehana, Po. Khandasri

Distt. Siddharth Nagar (U.P.)272192

بھدوھی میں

جناب انیس اختر کیر آف جناب نظام الدین انصاری

Vill Khanapur, Po. Jangi Ganj

Distt. Bhadohi (U.P.)221310

(۱)۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا یہ جواب دراصل دار العلوم اشرفیہ کے دستور اساسی کی روشنی میں اس کے مسلک کا اعلان ہے، ساتھ ہی فارغین اشرفیہ کے عہد واثق کی وضاحت بھی۔ آپ نے متعین طور پر کسی گمراہ یا بدمذہب کا حکم شرعی نہیں بیان کیا ہے بلکہ دار العلوم کا مسلک بیان کرتے ہوئے ایک عام ضابطہ بیان کیا ہے اور آپ کو حق ہے کہ اپنے دار العلوم کا مسلک بیان کریں، اپنے فارغین کو ان کا "عہد واثق" یاد دلائیں اور اپنے سنی بھائیوں کو مسلک اشرفیہ سے آگاہ کرتے ہوئے دار العلوم اشرفیہ کا دفاع کریں۔ دار العلوم اشرفیہ کو ڈھال بنا کر کوئی فارغ اشرفیہ اسی کے مسلک کو چیلنج کرے تو یہ بڑی بدعہدی ہے۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: "إذا عاهد غدر" خدا اسے توفیق ہدایت دے۔ (مرتب)

فکر امروز

خدایا شام کی صبح کب ہوگی؟

صابر رضا رہبر مصباحی

برکتوں کی سرزمین شام ویمن انسانوں کے قبرستان میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ آسمان سے آگ برس رہی ہے اورانسانی دشمنوں نے زمین کا گھیرا تنگ کردیا ہے۔ اسپتال ،اسکولز اورپناہ گاہیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ راکٹ اور میزائلوں کی یلغار میں چیخ وپکار کی گونج انسانی کانوں کے پردے پھاڑرہی ہے مگر پوری دنیامیں شام کے مظلوموں کے تئیں پراسرار مجرمانہ خاموشی ہے۔ یہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ اس جنگ میں لاکھوں بچوں کا بے دریغ قتل کیاجارہاہے مگراقوام متحدہ اوردہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر لاکھوں انسانوں کوموت کی ابدی نیند سلانے والی طاقتوں کا دل تک نہیں پسیج رہاہے۔ان کے لب کوجنبش تک نہیں ہورہی ہے۔ اقوام متحدہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی کے لیے لفظی طورپرمذمتی قراردادپاس کرنے تک محدود ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ سرزمین وہاں کے شہریوں کے لیے آج ہی میدان قیامت میں تبدیل ہوگئی ہے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوگئے ہیں اورلاکھوں سہاگنوں کاسہاگ اجڑچکاہے جبکہ اَن گنت ماؤں کاچمن ویران ہوچکاہے مگر ممالک مسلمہ بشمول پوری دنیاشام کی خوں ریزی کوروکنے کے لیے سنجیدگی اختیارکرنے پرآمادہ نہیں ہے۔ حلب اجڑگیا، غوطہ ویران ہوگیا، گاؤں کے گاؤں قبرستان کے مناظر پیش کررہے ہیں آخرانسانیت کاضمیرکب بیدار ہوگااورکب شام کی صبح ہوگی۔

۱۵؍مارچ۲۰۱۱ءکوصدربشار الاسدکی جانب سے پُرامن احتجاجی مظاہرین کے خلاف کریک ڈاؤن سے شروع ہونے والی خونریزی کے بعدیہ ملک انتہائی پیچیدہ جنگ کا شکار ہوگیا تھا۔ القرہ کی افواج عفرین پر شدید بمباری کے بعد مرکزی شہر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ دوسری جانب ماسکوکی حمایت یافتہ ملکی افواج نے باغیوں کے زیرقبضہ مشرقی غوطہ کاسترفیصدعلاقہ بازیاب کرالیا۔ باغیوں کے زیرقبضہ اس علاقے کاکنٹرول واپس حاصل کرنے کے لیے ۱۸؍فروری سے حکومتی فورسز کی جانب سے شدید زمینی اور فضائی حملے کیے گئے جس کی زد میں آنے سے کم ازکم ۲۲۰؍شہری ہلاک ہوئے۔ بین الاقوامی سطح پر اس صدی کی سب سے خونریز جنگ روکنے کے لیے کئی کوششیں کی گئیں جوناکام رہیں۔ یہ جنگ اب تک ساڑھے تین لاکھ سے زائد اموات اور ملک کی ۲۰؍ملین کی آبادی میں سے نصف کی مہاجرت کے باوجود اب بھی جاری ہے۔گوکہ گزشتہ چند مہینوں میں جہادی تنظیم داعش اور دیگر عسکری گروہوں کا اثرورسوخ اس ملک میں کم ہواہے لیکن اب اس خطے میں دیگر ممالک اپنااثرورسوخ بڑھانے کی کوششوں میں ہیں۔

امریکہ کے حمایت یافتہ کردوں نے ملک میں تیل کی دولت سے مالامال شمال مشرقی علاقے پراپناکنٹرول قائم رکھاہواہے جبکہ ترکی کے حمایت یافتہ عرب باغی شمال مغربی خطے میں اپنے قدم جمانے کی جدوجہد کررہے ہیں۔ اسی سلسلے میں انقرہ کی جانب سے کردوں کے اکثریتی علاقے عفرین پر ۲۰؍جنوری سے شدید حملے جاری ہیں اوراب ترک صدر نے اعلان کیاہے کہ بہت جلد مرکزی شہر کا محاصرہ مکمل کر لیاجائے گا۔

فتح وشکست کے اس کھیل میں بچوں،خواتین اوربے گناہ شہریوں کو بلی کا بکرابنایاجارہاہے۔ بچوں کے خلاف کیمیکل اسلحہ کا استعمال کرکے سیکڑوں بچوں کوموت کے گھاٹ اتاردیاگیا۔ مگرگزشتہ کئی دنوں سے سوشل میڈیاسے دور ہوں کیوں کہ وہاں اپ لوڈ ہونے والے شام کے دلخراش مناظر، تڑپتے زخمی بچوں کی چیخیں ، آگ اورخون میں لت پت بے گناہ شہریوں کی چیخیں اور سرپیٹتی ماؤں کی آہ وبکاکلیجے کو چھلنی کررہی ہیں۔ مجھ میں ہمت نہیں ہوپارہی ہے، حواس باختہ ہوجاتاہوں اور حوصلہ جواب دے جاتے ہیں۔

حالاں کہ شام میں جاری اس جنگ پر قابوپانے کے لیے بین الاقوامی سطح پرایک بارپھر کوششیں کی جارہی ہیں۔اس سلسلے میں ترکی، روس اور ایران کے صدور شام کی صورتحال پر ہونے والی ایک سمٹ

سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ

میں ملاقات کریں گے۔ ترک حکومت کے مطابق ۴؍اپریل کو یہ سمٹ استنبول میں منعقد کی جائے گی۔ تینوں ممالک کے رہنما اس ملاقات میں شامی خانہ جنگی کے خاتمے کے لیے مشترکہ کوشش کریں گے۔ خدا کرے یہ کوشش بارآور ہو اور مظلوم شامیوں کے لیے پیام امن کا سورج ثابت ہوسکے۔ شام کے حوالے سے ترقی یافتہ ممالک اپنا واجبی کردار ادا کرنے میں ناکام رہے اور تحفظ انسانی کے لیے ان ممالک نے مقدور بھر سعی کرنے کے بجائے اپنا ہاتھ صاف کرنے پر توجہ مرکوز رکھی یہی وجہ ہے کہ داعش کے خاتمہ کے نام پر دہشت گردی کا جنم داتا اسرائیل بھی میزائل داغ کر بے گناہ شہریوں کا قتل کررہا ہے مگر سب خاموش ہے۔ حالاں کہ دنیا اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ داعش کے وجود کے پیچھے اسرائیل اور امریکہ کا ہاتھ ہے۔ شام میں امن قائم کرنے کے لیے یورپی ممالک کے علاوہ ایران، سعودی عرب اور ترکی کو اپنے تمام تر اختلافات کو درکنار کرکے انسانیت کی خاطر سنجیدہ ہونا پڑے گا ورنہ ماضی قریب میں ان کے سامنے بھی ایسے ہی حالات ہوں گے۔ شام میں جاری خونریزی کا سلسلہ نہ رکنے کے سبب دیگر سنگین انسانی مسائل عالمی توجہ حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔ روہنگیا مسلمانوں کی حالت انتہائی قابل رحم ہے جبکہ یمن میں سعودی اتحاد کی جانب سے تھوپی گئی جنگ کا خمیازہ بھی وہاں کے بے گناہ عوام بھگت رہے ہیں۔ جنگ کے سبب پناہ گزیں کیمپوں میں زندگی گزارنے والے افراد وبائی امراض کے سبب اپنی جان گنوا رہے ہیں۔ ادویات اور اشیائے خورد ونوش کی قلت کا معاملہ بھی سنگین رخ اختیار کرچکا ہے اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ نے کئی بار وارننگ دے چکا ہے کہ اگر یمن میں جنگ نہیں رکا تو ان کا نام دنیا کے نقشے سے ختم ہوجائے گا۔ مگر شام میں جاری شہریوں کے قتل عام کے سبب یہ سارے سنگین مسائل منظرنامے سے غائب ہوگئے ہیں۔ ہم ہندستانی شہری صرف ان مظلوموں کے لیے دعائیں کرسکتے ہیں۔ ان کے حق میں صدائے احتجاج بلند کرسکتے ہیں اور سڑکوں پر اتر کر مظاہرہ کرسکتے ہیں مگر اس سلسلے میں ہندستانی عوام میں یکجہتی قائم ہوجائے تو ہماری آواز بھی دور تلک جاسکتی ہے اور رنگ بھی لاسکتی ہے مگر احتجاج ومظاہرہ کا پرامن ہونا شرط اولین ہے۔☆☆☆

(ص: کا بقیہ)... اثاثہ نصف نصف کرنے میں اتنی احتیاط برتی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی خیرات کردیا۔ آپ کی مسکین نوازی، غربا پروری مشہور تھی۔ چنانچہ جو بھی حاجت مند مدینہ میں آتا لوگ اسے آپ کے آستانہ کرم ہی کا پتہ دیتے۔ اپنی ضروریات اور کاموں پر دوسروں کی حاجت روائی کو ترجیح دیتے۔ ایک مرتبہ کوئی شخص حضرت حسین کے پاس اپنی ضرورت لے کر گیا چونکہ آپ اعتکاف میں تھے اس لیے معذرت خواہ ہوئے پھر یہ شخص حضرت حسن کے پاس گیا باوجود یہ کہ آپ معتکف تھے، اعتکاف سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کردی لوگوں نے کہا حسین نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا۔ فرمایا۔ خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کردینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ آپ نے پوری زندگی میں حاجت مندوں کی حاجت روائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

صدیق عکس حسن کمال محمد است
فاروق ظل جاہ و جلال محمد است
عثماں ضیائے حسن جمال محمد است
حیدر بہار باغ خصال محمد است
اسلام ما زطاعت خلفائے راشدین
ایمان ما محبت آل محمد است

خلفائے راشدین کی ظاہری زندگی، اُن کا لباس، اُن کا مکان، اُن کی سواری، اُن کی خوراک، اُن کی نشست وبرخاست عام لوگوں کی مانند ہوتی تھی خلیفہ کو دوسرے لوگوں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنی اولاد سمجھ کر اُن پر شفقت فرماتے تھے۔ مسلمانوں کو اپنا غلام نہیں جانتے تھے۔ اُن کو مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا خیال سب سے زیادہ تھا۔ خلفائے راشدین نے اپنی ذاتی بلند پرست، اسلام اور مسلمانوں کی بے لوث خدمت کی بدولت اُمت کا اعتماد حاصل کیا۔ اس دور کی جو بھی خوبیاں نظر آتی ہیں، اُن کے فروغ میں اُن ہی مقدس ہستیوں کا دخل ہے۔ خلافت راشدہ کا مزاج ہی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے چلانے والے بے داغ سیرت وکردار کے مالک ہوں اور دین اور خلقِ خدا کی بے لوث خدمت ان کی زندگی کا نصب العین ہو، تاکہ ملک میں امن وامان، فراغت اور خوشحالی کا دور دورہ ہو اور یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ہر دور کے مسلمان یہ خواہش کرتے ہیں کہ ان کا سیاسی اور اجتماعی نظام، خلافت راشدہ کے نمونہ پر ہو۔ ❋❋❋

شعاعیں

خلفائے راشدین اور خدمتِ خلق

غلام احمد قریشی

خلیفہ کے معنی جانشین اور خلافت کے معنی جانشینی کے ہیں لیکن اصطلاح شرح اور اصطلاح مورخین میں خلیفہ کے معنی بادشاہ یا شہنشاہ کے قریب قریب مُراد لیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات اظہر مِن الشمس ہوجاتی ہے کہ خلیفہ سے مُراد حکمران اور خلافت سے مُراد سلطنت ہے۔ اور سلطنت وحکمرانی کے لیے علم، عدل، اصلاح قوت اور رفاہِ خلائق کی شرطیں لازمی ہیں جن کی ہمیشہ بادشاہوں اور خلفا کو ضرورت رہی ہے اور بغیر ان شرائط وصفات کے کوئی بادشاہ یا کوئی سلطان اپنی بادشاہت اور سلطنت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ یہ تمام صفات حسنہ پیغمبروں اور رسولوں کی تعلیمات سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے جانشین یا خلیفہ کا ہونا ضروری تھا۔ امور سلطنت میں ان کے جانشین ہوئے ان جانشینوں میں جو لوگ براہ راست آنحضرت ﷺ کے تربیت کردہ، آنحضرت ﷺ کے فیض یافتہ، یعنی صحابہ کرام تھے وہ خلیفہ سلطنت تھے، وہ سلطنت وحکومت کو آنحضرت ﷺ کی حکومت وسلطنت سے زیادہ مشابہ رکھنے کی قابلیت واہمیت رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کی حکومت وسلطنت یعنی خلافت راشدہ کے نام سے موسوم ہوگئی۔ پہلے چار خلفا کے زمانے میں چونکہ نظام سلطنت صحیح معنوں میں قرآن وسنت پر مبنی تھا۔ اور حکومت کی دستوری روح اسی طرح قائم رہی جیسے کہ عہد رسالت میں تھی۔ اس لیے اسے خلفائے راشدین کا عہد کہتے ہیں۔ خلفائے راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا بادشاہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا خادم سمجھ کر اُن کی خدمت کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے قول وفعل پر اگر ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو لوگ آزادنہ اعتراض کرتے تھے۔ (۱) تاریخ اسلام۔ جلد اول۔ (۲) تاریخ اسلام مُرتبہ ڈاکٹر حمید الدین ہاورڈ یونیورسٹی امریکہ۔

سرور کائنات ﷺ نے جو نظام حکومت قائم فرمایا اس کا محور وحی الٰہی تھا۔ اس حکومت کی بنیاد خاندان عصبیت اور نسلی شعور کے بجائے دینی وحدت پر قائم تھی۔ اسی سلطنت نے عربوں کو دینی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے ایک نقطہ اتحاد پر جمع کر دیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے دنیا کے سامنے خلافت الٰہی کا صرف عملی نمونہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ ایک ایسی قوم پیدا کی جس کی زندگی میں عظیم روحانی اخلاقی انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ سرور کائنات ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو مسلمانوں میں ایسے لائق افراد کی کمی نہ تھی جو مذہبی سیاسی ہر لحاظ سے آپ کی جانشینی کی لیاقت وصلاحیت سے بہرہ مند تھے اور اقوام عالم کو اسلام کے نظام رحمت سے روشناس کرکے شریعت کو نافذ کرنے کی بھرپور قائدانہ سپرٹ موجود تھی اور وعدہ ربانی کے مطابق دنیا کی سربراہی کے مستحق قرار پائے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (سورۃ النور: ۵۵)

ترجمہ:- جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دئے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ زمین کی خلافت دے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے۔

اس ارضی خلافت کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بنی آدم کی ہدایت و سعادت کے لیے ایک ذمہ دار حکومت قائم ہو جو اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے۔ ظلم و جور د ضلالت و طغیان سے اس زمین کو پاک کرے۔ عام لوگوں کے لیے امن و سکون اور راحت رسانی کا انتظام کرے۔ اسلامی سماج میں خلیفہ سرور کائنات کا جانشین تھا۔ خلیفہ کے فرائض منصبی میں اسلامی قوانین کا تحفظ اور ان کا نفاذ عام فلاح و بہبود کی ذمہ داریاں امن وامان کا قیام، سرحدوں کی حفاظت، عدل وانصاف، اعلائے کلمہ حق کے لیے ہمہ گیر جدوجہد مسلمانان باشندوں اور ذمی رعایا کے حقوق کا تحفظ جیسے اہم امور تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے بعد جو سلسلہ خلافت قائم ہوا وہ خلفائے راشدین تھے جن کی خلافت منہاج نبوت پر استوار تھی۔ وہ صحیح معنوں میں منصب نبوت کے جانشین اور جامعیت ذاتِ رسالت کے قائم مقام تھے۔ ان کا طرز عمل ٹھیک ٹھیک طریقہ نبوت کے مطابق تھا۔

سابق ڈائریکٹر جنرل منصوبہ بندی جموں کشمیر Email: gaqureshi@gmail.com

خلفائے راشدین کا پورا عہد اسلام کے آئین جہاں بانی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس نے نظریہ اور عمل دونوں جہتوں سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے نظام خلافت میں دین دنیا کی سربراہی کے حقوق و فرائض ایک ہی ذات پورے طور پر انجام دے سکتی ہے۔ اسلام میں ملک یا سلطنت کی حقیقی ملکیت و حاکمیت خدائے تعالیٰ کی ذات کو تصور کیا جاتا ہے۔ عوام کی حقیقی فلاح و بہبود اور ان کے لیے آسانیوں کی فراہمی اس کا اصل مقصد تھا۔ کیونکہ یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسی خدا کا بنایا ہوا ہے۔ دنیا کی ہر چیز پر اسی کی حکمرانی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کے بھیجا ہے۔ مالک نہیں، خادم و نگران بنا کر بھیجا ہے حاکم حقیقی نہیں۔ اسی طرح ایک خلیفہ یا حاکم اسلام میں خدا کا نائب اور عوام کا خادم و امین تصور کیا جاتا ہے جسے خدا نے ان کی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ کہ وہ عوام کی راحت و آرام، فلاح و بہبود کے کام کرے۔ امانت داری و دیانتداری کو اپنا شعار بنائے۔ ڈاکٹر حمید الدین ہاررڈ یونیورسٹی امریکہ "تاریخ اسلام" میں یوں رقم طراز ہیں۔ "خلافت راشدہ ایک معیاری خادم خلق ریاست تھی۔ اس کا مقصد محض ملک کو اندرونی انتشار یا بیرونی حملوں سے بچانا ہی نہ تھا بلکہ عوام کی حقیقی فلاح و بہبود اور ان کے لیے آسانیوں کی فراہمی اس کا اصل مقصد تھا۔"

اسلام ایک اعتدال پسند مذہب ہے اور ایک مکمل نظام حیات ہے۔ ہر زمانے میں غریب اور مزدور طبقہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود رہی ہے۔ اسلام نے ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ بیت المال کے قیام، زکواۃ و عشر کی ادائیگی، وراثت کی تقسیم، سودی ممانعت، صدقات و خیرات کی حوصلہ افزائی جیسے احکامات کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ امیری اور غریبی میں توازن برقرار رہے۔ امیر لوگوں کے مال میں ڈھائی فیصد زکواۃ (ٹیکس) ادا کرنے کو فرض قرار دے کر غریبوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ بھی امیروں کی دولت میں شریک ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دور خلافت میں اتنی اقتصادی ترقی ہوئی کہ زکواۃ کی رقم لینے والا کوئی باقی نہ رہا (عالم انسانیت کو اسلام کا عطیہ، تصنیف محمد مشرف عالم)۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے حکمرانوں کو عدل و انصاف، ہمدردی، دردمندی، ایثار و قربانی اور خدمت خلق کی جو تعلیم دی ہے اور دور خلافت راشدہ میں جن کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اگر اس پر آج کی دنیا میں عمل کیا جائے تو یہ دنیا مخلوق خدا کے لیے جنت نشان بن سکتی ہے

عکسِ نورانی ہمہ روشن بود — عکسِ ظلمانی ہمہ گلخن بود

خلفائے راشدین کا بلند اور اعلیٰ و پاکیزہ کردار، اسلام کے صحت مند نظریے اور معاشرے کی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، خلفائے راشدین کے عہد کے درخشان واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جے بانس نے اسی مسئلہ پر لکھتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے

"اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے حکومت، ریاست، سیاست اور اقتدار کو انسان کے لیے ایک ایسی ذمہ داری قرار دیا ہے جس کے عائد ہونے کے بعد ایک حکمران کی حیثیت ایک چرواہے سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور جب تک ایک حکمران اپنے کردار کو ایک چرواہے جیسے نہیں بنالیتا وہ اس عظیم ذمہ داری کو پورا بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسلامی سماج کی وہ بزرگ شخصیتیں جنہوں نے اس مذہب کو پروان چڑھایا تھا اور پھیلایا تھا اعلیٰ مثالی کردار کی مالک تھیں "کسی حکومت کا دستور اور قانون کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو، اگر اس کے سربراہ اور منظم سیرت اور کردار کی خوبیوں سے عاری ہوں تو نظام حکومت عوام کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اس حیثیت سے جب ہم خلافت راشدہ کے دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس دور کی خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ خلفا کا بے داغ اور مثالی کردار تھا۔

کپتان رابرٹ جان لکھتے ہیں کہ:

"خلفائے راشدین اور ان کے بعد مسلمانوں کی زمام قیادت سنبھالنے والے سلاطین اور بادشاہوں کے اعلیٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح بھی خود کو عام لوگوں سے علاحدہ رکھنے اور بلند ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے درباروں میں آکر غیر مسلم سفیروں اور قاصدوں کو ان خلفا اور عام مسلمانوں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہی نہیں تھا بلکہ ناممکن بھی ہو جاتا تھا۔ یہ حضرات اپنی شخصیت کو ظاہر کیے بغیر بیواؤں، یتیموں، مزدوروں اور مجبوروں کی خدمت گزاری کو اپنے منصبی فرائض میں داخل سمجھتے تھے اور فرائض کے عظیم منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی ان کے مزاج اور ان کی زندگی کے عام مشاغل میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔"

(بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء۔ خلفائے اسلام کی قابل اتباع زندگی)

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیعت خلافت کے بعد کسی نے صدیق اکبر کو یا خلیفہ اللہ کہہ کر پکارا تو آپ نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ ہوں۔ اس فقرہ سے حکومت کا وہ تصور عیاں ہوتا ہے جس کی

بنیادیں قران وسنت پر قائم ہیں۔ خلیفہ رسول اللہ سے کسی بڑائی کا اظہار مقصود نہ تھا بلکہ یہ بتانا تھا کہ وہ اللہ کے مقررہ حدود میں رہتے مسلمانوں کی قیادت اور امور سلطنت کی انجام دہی میں رسول اللہ کے جانشین ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کا محور عمل قرآن وسنت ہی رہے۔ ان کی حکومت شخصی نہ تھی بلکہ ان کا ہر اہم فیصلہ مجلس شوریٰ کے مشوروں پر منحصر ہوتا تھا۔ ان کے نزدیک خلافت ایک امانت تھی جو قوم کی جانب سے انہیں سپرد کی گئی تھی۔ انہوں نے اس امانت کا حق جس طرح ادا کیا اور ایام خلافت میں جس بے نفسی و پرہیزگاری کا ثبوت دیا اسے آج کی دنیا ناممکن العمل سمجھتی ہے۔ اسلام میں حکومت کا بنیادی مقصد اعلائے کلمہ حق، اشاعت اسلام اور تحفظ دین وشریعت ہے۔ ابوبکر صدیق کی پوری خلافت اس کا مظہر اتم تھی۔ (خلفائے راشدین مصنف، ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی)

حضرت ابوبکر صدیق کا مسند خلافت پر بیٹھنے سے قبل سے طریقہ کار تھا کہ ان کا اکثر و بیشتر وقت مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ آپ مصیبت کے ماروں کی امداد کرتے رہتے تھے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے تھے۔ ناتواں اور مجبوروں کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہوگئے تو یہ سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔ ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ اب آپ خلیفہ ہوگئے آپ کی ذمہ داری اس سے کہیں زیادہ ہے کہ آپ بیماروں کی تیمارداری کرتے پھریں اور معذوروں کی دیکھ بال کریں۔ یہ کام دوسروں کے سپرد کردیجیے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ سچ ہے کہ میری ذمہ داریاں بڑھ گئیں ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں مجبوروں اور معذوروں کی امداد سے دست کش ہوگیا تو میرا رب بھی میری امداد سے ہاتھ نہ کھینچ لے۔ اگر اس نے ہاتھ کھینچ لیا تو ابوبکر کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ اللہ اللہ جس حکمران کے دل میں اس قدر خوف خدا ہو وہ اگر مخلوق خدا کے لیے مفید ثابت نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا؟

حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے نواح میں وبا پھیلی اور اس وبا کی وجہ سے سینکڑوں گھر ویران ہوگئے تو آپ وبا زدہ علاقوں میں جا پہنچے خود بیماروں کی تیمارداری کی اور آپ نے اس وبا میں مرنے والوں کی لاوارث بیواؤں اور بچوں کے وظیفے بیت المال سے مقرر کردئے۔

عہد رسالت میں کوئی بیت المال قائم نہ تھا، صدقات وزکواۃ اور عشر وخراج کی جو رقم یا جنس آتی مستحقین میں تقسیم کردی جاتی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے سب سے پہلے بیت المال قائم کیا اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو افسر مال مقرر کیا گیا۔ حکومت کی آمدنی سے عمال کی تنخواہیں غربا و مساکین کے وظائف، لشکر کے لیے ہتھیار اور باربرداری جانوری کی فراہمی کا کام انجام پاتا۔ ملی واجتماعی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو رقم بچ جاتی خلیفہ اول اسے مسلمانوں میں تقسیم کردیتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں چالیس ہزار درہم پاس تھے یہ ساری رقم راہ خدا میں صرف کردی اور جب بھی مال کی قربانی کا وقت آیا سب سے آگے بڑھ کر ایثار کا مظاہرہ کیا۔ ایک مشکل ترین وقت میں اپنے گھر کا سارا سامان واسباب اللہ کے راستے میں نچھاور کیا اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا تھا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا "اللہ اور اس کے رسول کو گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں" آپ کی فیاضی آخر عمر تک قائم رہی۔ چنانچہ اپنے بعد مال متروکہ کا پانچواں حصہ فقرا اور مساکین پر تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے جو اثاثہ چھوڑا وہ صرف دو اونٹ تھے اور ان کے لیے وصیت یہ تھی کہ میرے مرنے کے بعد بیت المال میں دے دیا جائے۔ امام طبری نے لکھا ہے کہ مرض الموت میں ان کو اس وظیفہ کا خیال آیا جو انہوں نے عہد خلافت میں لیا تھا، تو انہوں نے ورثا سے کہا کہ اسے میری فلاں زمین بیچ کر بیت المال میں جمع کردیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ابن سعد سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے وفات کے وقت حضرت عائشہ سے فرمایا۔ جب سے بار خلافت میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال سے میرے پاس ایک غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہوجانا۔"

(خلفائے راشدین۔ از: ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی)

حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں آپ کے گھر والوں کو کسی میٹھی چیز بنانے کی خواہش ہوئی۔ بیت المال سے ملنے والے وظیفے، جو صرف پانچ درہم یومیہ تھے، میں اتنی گنجائش نہیں تھی تو انہوں نے سوچا کہ اگر ضرورتوں کو آگے پیچھے کرکے ایک ایک پیسہ روزانہ بچالیا جائے تو یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مٹھائی تیار ہوگئی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کے کھانے میں اسے پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آئی۔ گھر والوں نے سارا واقعہ بتایا تو انہوں نے کھانے کے بعد ایک پرچی بیت المال کے

ذمہ دار کے پاس لکھ بھیجی کہ مجھے ملنے والے روزانہ کے وظیفوں میں سے ایک پیسہ کی کمی کر دی جائے کیونکہ بغیر مٹھائی کے ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ (عالم انسانیت کو اسلام کا عطیہ۔ مصنف محمد مشرف)

فلپ. کے ہٹی ہسٹری آف دی عربس History of the Arabs میں یوں رقم طراز ہیں:

"قرون وسطی میں کسی بھی قوم نے انسانی ترقی میں اتنا اہم رول ادا نہیں کیا جتنا عربوں نے کیا۔" اسلام نے تمام بنی نوع انساں کو خداے تعالیٰ کا ایک کنبہ یا عیال اللہ قرار دیا۔ الخَلْق عَیَال الله " یہ حضرت رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ سب خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور وہی سب کا خالق و مالک ہے۔ سبھی اس مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب کی ضرورت یکساں ہے۔ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے آپس میں ایک دوسرے سے پیار محبت، ہمدردی، خیر خواہی اور خیر سگالی پر زور دیا ہے۔ ایک دوسرے کے رنج و مصیبت، دُکھ اور تکلیف میں مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے لوگوں کو خدمت خلق سے متعلق فلاحی اور رفاہی کاموں کی طرف توجہ دینے کی ترغیب دی ہے اور ان کاموں کو عبادت قرار دیتے ہوئے ان میں اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست نے از تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرت ابوبکر صدیق نے ایک موقع پر اپنے گھر کا سارا مال و اسباب راہ خدا میں دے دیا تھا اور حضرت عمر نے اپنے گھر کے کل اثاثے کا آدھا اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ اور انہوں نے خیر کی اپنی قیمتی زمین فی سبیل اللہ وقف کر دی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت علی وغیرہ نے بڑھ چڑھ کر اس کار خیر میں حصہ لیا۔ خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں اس میں مزید وسعت و تنوع پیدا ہو گیا۔ ان میں زمین، باغات، کنویں، تالاب، پیداوار، منقولہ و غیر منقولہ اثاثے اور رقوم شامل تھیں جن میں خدمت خلق کے مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسلامی وقف کا ادارہ دور خلافت میں قائم ہوا اور یہ ادارے مسلم ملکوں کے طول و عرض میں پھیل گئے اور انہوں نے خدمت خلق کی ایک درخشاں تاریخ رقم ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمات سر انجام دیں جو آنے والے خلفا کے لیے نمونہ تھیں آپ عام زندگی میں جس قدر نرم دل اور منکسر المزاج تھے۔ اسلام کی حفاظت میں اسی قدر مستقل مزاج اور سر فروش ثابت ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کی وفات کی خبر سُن کر رو پڑے اور روتے ہوئے آپ کے مکان پر آئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔

"اے ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے۔ بخدا تم اُمت میں سب سے پہلے ایمان لائے اور ایمان کو اپنا خلق بنایا۔ تم سب سے زیادہ صاحب ایقان، سب سے غنی اور سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت و نگہداشت کرتے۔ تم سب سے زیادہ اسلام کے حامی اور خیر خواہ مخلوق تھے۔ تم خلق، فضل، ہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر تھے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے۔

خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کسی بھی طرح خلافت کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے جب انہیں مجبور کیا گیا تو آپ بمشکل اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوئے مگر مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ تہجد کی نماز کے بعد بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہتے تھے اور اپنے پرور دگار سے التجا کیا کرتے تھے کہ خداوندا! مجھے توفیق دے کہ میں تیری مخلوق کی سچی خدمت کر سکوں اور مجھ میں صلاحیت عطا فرما کہ میں اپنے فرائض کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکوں اور اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو در گذر فرما اس دُعا کے بعد اتنا روتے تھے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ آپ نے ایک روز حضرت سلمان فارسی سے دریافت کیا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر آپ کسی مسلمان سے ایک درہم یا اس سے کم یا بیش وصول کر کے بے جا خرچ کریں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ۔

حضرت فاروق اعظم کی ہمیشہ یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ ان کی مملکت میں ایک بھی شخص بھوکا نہ رہ پائے۔ چنانچہ آپ نے ملک میں جابجا لنگر خانے قائم کر دیے تھے تاکہ ان لنگر خانوں سے بھوکوں کو کھانا ملتا رہے، مدینہ کے لنگر خانے میں آپ خود جا کر اپنے سامنے کھانا کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ بیت المال سے غریبوں کے لیے وظائف مقرر کر دیئے تھے اور اس بات کی پوری نگرانی رکھتے تھے کہ ان کے وظائف ٹھیک وقت پر ملتے رہیں۔ وظائف کی تقسیم میں مذہب و ملت کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھے اور معذور یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تو اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے اُسے کھانا کھلایا جو کچھ ہو سکا اُسے نقد دیا اور بیت المال

کے خزانچی کو حکم دیا کہ اس یہودی کا وظیفہ جاری کر دیا جائے اور ایسے معذوروں کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا جائے۔ اس کے بعد آپ نے تمام ذمیوں کا جذیہ معاف کر دیا۔ لاوارث بچوں کی پرورش و پرداخت کا پورا خیال تھا۔ ایسے بچوں کو دائیوں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ہر بچے کا وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا تھا اور سارے مصارف بیت المال سے ادا کیے جائے۔ یتیموں کی پرورش اور اُن کی جائیداد کا انتظام نہایت سرگرمی سے کرتے۔ ایک حبہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔

حضرت عمر کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ آپ کے کپڑوں پر کئی پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے اور اسی حالت پر آپ غیر ملکی سفرا اور بادشاہوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عرب کے بعض علاقوں میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے پیٹ بھر کر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ لوگوں کے درد و غم کو جاننے کے لیے خفیہ گشت فرمایا کرتے تھے اور بذات خود لوگوں کی مشکلات کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ ایک گشت کے دوران دیکھا کہ شہر سے دور کوئی آگ جل رہی ہے۔ آپ اپنے غلام کے ساتھ اس جانب بڑے وہاں جا کر دیکھا کہ چند بچے رو رہے ہیں چولہے میں کچھ پک رہا ہے اور ایک عورت بچوں کو دلاسا دے رہی ہے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ عورت اُن کی ماں ہے۔ انہوں نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا ہے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ ہانڈی میں صرف پانی کھول رہا ہے اور وہ بچوں کے بہلانے کے لیے ہے کہ وہ سو جائیں۔ کھانا تیار ہونے پر اُٹھا کر کھلا دیا جائے گا۔ یہ ماجرہ سن کر حضرت عمر کانپ اُٹھے۔ لرزاں و ترساں دوڑتے ہوئے آئے اور بیت المال سے کچھ کھانے کے سامان اپنے کاندھوں پہ لاکر وہاں پہنچے اور اپنے غلام کی مدد کی درخواست رد کی۔ پھر اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر انہیں کھلایا اور اس عورت کو ایک پرچی لکھ کر بڑھاتے ہوئے کہا کہ اسے دکھا کر بیت المال سے اور سامان حاصل کر لینا اور پھر گھر لوٹے۔

آج دُنیا کے بیشتر ممالک میں جمہوریت قائم ہے لیکن ابھی تک ان خصوصیات سے عاری و خالی ہیں جو خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بدرجہ اتم موجود تھیں اور یہی اسلامی جمہوری نظام کا تقاضا بھی ہے۔ حدود سلطنت میں آباد لوگوں کی راحت و آسائش، ترقی و خوشحالی کے لیے حضرت عمر نے ایک ہمدرد قوم، بالغ نظر حاکم کی حیثیت سے رفاہ عام کے لیے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ آپ نے اپنے اور افسران مملکت کے عیش و آرام کو عام رعایا کے سکون و راحت کے لیے قربان کر دیا تھا اور وہ کسی کی تکلیف اور درد کو ہرگز برداشت نہ کرتے تھے۔ زراعت کی ترقی اور خشک صحراؤں میں آب رسانی کے لیے تمام ممالک محروسہ کے اندر نہریں جاری کرائی گئیں۔ بند بندھوائے گئے، تالاب تعمیر کرائے گئے۔ نہروں کی شاخیں نکال کر پانی کی تقسیم کے لیے دہانے بنوائے گئے جن سے بہت بڑی اراضی قابل کاشت بنائی گئی۔ شہر و قریہ کے باشندوں کی قلتِ آب کی شکایتیں رفع ہوئیں۔ عہد فاروقی میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل، جیزہ، جیسے بڑے شہر بسائے گئے۔ مختلف قبائل کے لیے علیحدہ علیحدہ احاط کھینچ کر مختصر کچے مکانات بنوائے۔ مرکزی شہروں میں صوبہ کے ولات اور اضلاع کے حکام کے لیے دار الامارات، دیوان، بیت المال، قید خانے، مہمان خانے، فوجی بارکیں تعمیر کی گئیں۔ شہروں اور قصبوں کو آپس میں جوڑنے اور مسافروں کی سہولیت کے لیے شاہرائیں تعمیر کی گئیں۔ مکہ معظّمہ سے مدینہ منور تک ایک سڑک تعمیر کرائی گئی۔ ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں، چشمے تیار کرائے، کنویں تعمیر کرائے، سڑکوں کے درمیان آنے والے دریاؤں پر پُل تعمیر کرائے گئے۔

رفاہ عامہ کے کام: مشہور مورخ مقریزی کا بیان ہے کہ رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک وسیع محکمہ قائم کیا جس کے ماتحت لاکھوں مزدور کام کرتے تھے۔ صرف مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس قسم کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ اس محکمہ نے بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولیت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ سڑکیں تیار کرائیں اور دریاؤں پر پُل بنائے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ آبپاشی کے علاوہ دیگر ضروریات کے لیے متعدّد نہریں کھدوائیں جن میں ذیل کی چار نہریں خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱/ نہر ابو موسیٰ:- یہ نہر بصرہ کے حاکم ابو موسیٰ نے حضرت عمر کے حکم سے دریائے دجلہ سے نکلوائی۔ اس کی لمبائی نو میل تھی اور یہ شہر بصرہ میں پانی کی قلت کو رفع کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔

۲/ نہر معقل:- یہ نہر بھی دریائے دجلہ سے نکالی گئی تھی۔ اسے چونکہ مشہور صحابی حضرت معقل نے اپنی زیر نگرانی بنوایا تھا۔ اس لیے ان کے نام سے مشہور ہوئی۔

۳/ نہر سعد:- یہ نہر سعد بن ابی وقاص نے انبار کے باشندوں کی درخواست پر کھدوائی مگر درمیان میں ایک پہاڑ حائل ہونے کے سبب نا تمام رہ گئی۔ بعد ازاں حجاج بن یوسف نے اسے مکمل کرایا۔

۴/ نہر امیر المومنین:- ۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا تو

حضرت عمر نے مصر سے غلہ منگوانے کا انتظام کیا مگر خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ بہت دیر سے پہنچا تھا۔ اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے ۹۹ میل لمبی نہر کھود کر دریائے نیل اور بحیرہ قلزم کو ملا دیا گیا اور مصر کے جہاز براہ راست عرب کی بندر گاہ جدہ تک آنے لگے۔ اُس وقت کے لحاظ سے اتنی نہر کا کھودنا حضرت عمر کے عہد کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اُسے بھی وقت کی نہر سونیر سمجھنا چاہیے اور موجودہ سویز کا خیال ممکن ہے کہ اسی نہر سے پیدا ہوا ہو۔ یہ تقریباً اسی سال تک جہاز رانی کے قابل رہی لیکن بعد میں ریت داخل ہونے کی وجہ سے کار آمد نہ رہی۔ (تاریخ اسلام مرتبہ ڈاکٹر حمید الدین اور دِیو نیورسٹی امریکہ)

مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد سے ایک مدت تک بیت المال سے کچھ نہ لیا اور جب لوگوں نے سادہ گزر اوقات کے لیے تنخواہ مقرر کرنی چاہی تو فرمایا اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جب میری حالت دُرست ہو جائیگی لینا بند کرونگا کنبہ بڑا ہونے کے باوجود روزانہ بیت المال سے دو درہم لیا کرتے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت علی نے فرمایا کہ آپ کے صبح و شام کا کھانا بیت المال سے ملے گا۔ فاروق اعظم نے اُسی کو منظور فرمالیا۔ تنگی و غیرت سے زندگی بسر کرتے۔ اقلیم زہد و قناعت کے تاج دار کو دُنیاوی عیش وآرام سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ غذا سادہ تھی عموماً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا۔ سفر شام میں جب لوگوں نے بیش قیمت لباس اور عمدہ گھوڑے پیش کیے اور کہا عیسائیوں کے سامنے معمولی حالت میں جانا اچھا نہیں۔ ارشاد فرمایا۔ خدا نے ہمیں جو عزت دی ہے۔ وہ اسلام کی عزت ہے۔ وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی تمام عربی غلاموں کو آزاد کر کے یہ قانون نافذ کر دیا کہ اہل عرب کسی کے غلام نہیں ہوسکتے۔ فرمایا کرتے تھے۔ جو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کو عار سمجھتے ہیں خدا ان کو لعنت کرتا ہے۔ جب مدینہ منورہ میں قحط سالی کا پر آشوب دور آیا تو آپ کی بے قراری کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا۔ قوم فاقہ مست ہے اور تم اپنے کام و دہن کو شاد کام کر رہے ہو۔ لوگوں کو گرسنگی اور فاقہ مستی سے بچانے کے لیے ایران و شام کے اُمرا سے غلہ طلب کیا جب تک قحط رہا آپ ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب کرتے رہے۔

عہد فارقی میں عمال کو ان کے فرائض سے روشناس کرایا جاتا، حضرت عمر اپنے خطبوں اور خطوط میں اس کا اہتمام فرماتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا۔

”اے سعد۔ جب خدا کسی انسان کو چاہتا ہے تو اُسے لوگوں کا چہیتا بنا دیتا ہے۔ بس اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدا تم کو کتنا چاہتا ہے تو یہ دیکھ لو کہ لوگ تم کو کتنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ تم خلقِ خدا کی رضا جوئی جتنی کرو گے اتنا ہی خدا تمہیں پیارا کر دے گا۔“ (رسائل عمر نمبر ۹۶)

حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام لکھا۔

واضح ہو کہ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ سرخرو اور خوش نصیب حاکم وہ ہے جس کی خدمت سے رعیت کو سکھ اور آرام ملے اور خدا کی میزان میں سب سے زیادہ بدبخت وہ ہے جس کی بداعمالیوں سے رعیت تباہ و برباد ہو جائے۔

(ایضًا) بحوالہ تذکرہ خلفائے راشدین۔ مصنف ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی)

حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مفاد عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے گراں فروشوں کے لیے شدید احکامات جاری کر رکھے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بازار میں جاکر دیکھ بال کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غرض کے لیے ایک محکمہ قائم کر دیا تھا جو اشیاء کی قیمتوں کی نگرانی کرتا تھا اور ان لوگوں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ جو مخلوق خدا کو گراں فروشی کے بدلے لوٹا کرتے تھے اکثر اوقات گراں فروشوں کا سارا مال ضبط کر لیا جاتا تھا۔ حضرت علی نے بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں جو دراصل تعزیری سزائیں تھیں چنانچہ آپ کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے۔ کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے علاوہ رمضان شریف کی بھی بے حرمتی کی تھی۔ اپنی نرمی اور سلامت روی کے باوجود زندیقوں اور مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دینے میں تامل نہ کرتے تاکہ مجرمانہ ذہنیتوں کا خاتمہ ہو جائے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

عہد عثمانی میں حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا۔ تعمیرات کے کام بھی بڑھتے گئے۔ مختلف صوبوں میں دفاتر کے لیے عمارتیں، رفاہ عامہ کے لیے سڑکیں، پُل اور مسجدیں تعمیر کرائی گئیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے۔ ملکی انتظام اور عوامی سہولیات کے لیے دارالخلافہ کی طرف آنے والے تمام راستوں کو آرام دہ بنایا گیا۔ چوکیاں، سرائیں، پانی کے چشمے بنائے گئے اور مختصر بازار بھی بسائے گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد بلاد اسلامی

کے حکام، فوجی سالار، محصّلین عشر و خراج اور عوام کے نام ہدایات لکھیں جن میں رعایا پروری، دیانت، تقویٰ، فرض شناسی، حق پرستی، دینداری، راست روی کی تبلیغ فرمائی۔

حکام کے نام ہدایت۔اللہ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اُمت کے نگہبان بنیں۔محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں۔اوائل سلام کے لوگ نگہبان تھے۔محض خراج جمع کرنے والے نہ تھے۔لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی اُمت کے فرائض کو چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے میں نہ لگ جاؤ۔اگر ایسا ہوا تو حیا، امامت اور وفا، سب تم سے رخصت ہو جائیں گی۔بہترین عدل یہ ہے کہ مسلمانوں کے امور پر غور کرو جو ان کا حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور جو تمھارا حق ان پر ہے وہ اُن سے لو۔پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور تمھارا جو حق اُن پر ہے وہ اُن سے لو۔(خلفائے اسلام کی قابل اتباع زندگی۔ماہنامہ کنزالایمان اکتوبر ۲۰۰۳ء)

آپ کی فیاضی و کرم نے اُمت اسلام کو آڑے وقتوں میں سہارا دیا۔اس معاملہ میں کوئی اور آپ کا ہم سر نہ ہوسکا۔بئیر رومہ بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔عہد رسالت میں مسجد نبوی کی توسیع کا مسئلہ سامنے آیا تو ملحقہ مکانات خرید کر توسیع کرائی۔ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔عام نادار مسلمانوں کی بھی مدد فرماتے۔غزوۂ تبوک کے موقع پر جب کہ مسلمان افلاس کے شکار تھے ایک کثیر رقم صرف کر کے تین سو اونٹ مئے ساز و سامان مہیا کیے اور مزید اخراجات کے لیے ایک ہزار دینار لا کر سرکار کی آغوش میں رکھ دیے۔اپنے دور خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے کبھی کچھ بھی نہ لیا اور اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کی خدمت کے لیے چھوڑ دیا۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مملکت اسلامیہ کی تمام بوڑھی، معذور اور بیوہ عورتوں کے لیے وظائف جاری کر رکھے تھے۔ان کو ہر ماہ وظائف تقسیم ہوتے تھے اس کے علاوہ غریب کنواری لڑکیوں کی شادی کے اخراجات بھی بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔فلسطین کی ایک یہودی عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ میری چار لڑکیاں شادی کے قابل ہیں۔مگر غریبی کی وجہ سے ان کی شادی نہیں کر سکتی۔آپ نے تحقیقات کر کے لڑکیوں کی شادی کے لیے اسے ایک معقول رقم عطا کر دی۔ایک مرتبہ عراق کی ایک یہودی عورت نے عراق کے ایک عمال کے بارے میں شکایت کی کہ اس نے سرکاری غرض کے لیے اس کی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم بھیجا کہ عمال حکومت رعایا کی فلاح کے لیے بھیجے گئے ہیں۔نہ اس لیے کہ ان پر زیادتی کریں۔اگر اس عورت کا بیان دُرست ہے تو اسے نہ صرف زمین واپس کی جائے بلکہ اسے تاوان بھی ادا کیا جائے گا۔گر اس پر عمل نہ کیا گیا تو عامل یہ سمجھے کہ اسے اس عہدے سے دستبردار کر دیا گیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اصول حکمرانی کی اسلامی روح سے واقف تھے اور آپ نے اپنی حکومت شیخین کی طرح قرآن و سنت کے اصولوں پر قائم کی۔حدود ولایت میں مقرر عمال، کارندوں اور محصلین زکواۃ کو رعایا کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے۔جب زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے جاؤ تو وقار اور سنجیدگی کے ساتھ جاؤ۔ان لوگوں کے درمیان پہنچ کر سلام کرو۔پھر ان سے کہو کہ اللہ کے مقررہ کردہ والی اور خلیفہ نے آپ کے پاس مجھے بھیجا ہے کہ آپ کے مال میں جو اللہ کا حق ہے وہ آپ سے وصول کروں تو کیا آپ کے اموال میں ایسا حق ہے۔جو اس کے والی کو آپ ادا کریں۔اگر وہ دے تو اس کو ڈرانے دھمکانے اور اس پر سختی کرنے کی ضرورت نہیں (نہج البلاغہ) ایرانی دمی آپ کے لطف و کرم سے اس درجہ متاثر ہے کہ وہ کہا کرتے۔"اس عربی سلطنت نے تو نوشیروان کی یاد تازہ کر دی۔(مسلم، کتاب الجہاد)

حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں بیت المال سے شیخین کے وظیفہ سے زیادہ نہ لیا۔دُنیا کی دولت قدموں کے نیچے تھی مگر موٹا جھوٹا لباس، روکھا پھیکا کھانا تھا۔کسی سائل کو کسی حال میں اپنے گھر سے واپس نہ کرتے۔اگر کچھ نہ ہوتا تو قوت لایموت تک دیتے۔ایک مرتبہ فاقہ کی نوبت تھی۔رات بھر کسی کے باغ کی آبپاشی کی اُجرت میں جو لے کر آئے۔صبح کے وقت ایک تہائی جو پکوا کر حریرہ بنوایا کسی مسکین نے سوال کیا۔حریرہ اسے دے دیا۔پھر دوسرا ثلث جو پکوانا شروع کیا تیار ہوا تو ایک محتاج یتیم کو دے دیا۔آخری تہائی حصہ پکنے لگا تو ایک فاقہ کش مشرک قیدی کے کھانے کا سوال آ گیا۔یہ آخری حصہ بھی قیدی کی نذر ہو گیا اور خود فاقہ سے سو رہے۔اللہ کو یہ ادائے سخاوت پسند آئی جس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

ترجمہ: اللہ کی محبت میں اپنے کھانے کو مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔

حضرت امام حسن کو فیاضی اور سیر چشمی وراثت میں ملی تھی۔صدقات و خیرات کے باب میں آپ کی نظیر نہیں دیکھی گئی۔تین بار آپ نے اپنی دولت کا نصف حصہ راہ خدا میں دے دیا۔**(باقی ص:۱۸ پر)**

تــــذکرہ

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت سے شہادت تک

محسن رضا ضیائی

رسول اللہ ﷺ نے خداے تعالیٰ کے احکام و قوانین اور اسلامی تعلیمات امت تک پہنچایا، آپ کی تبلیغ و کوشش سے کتنے ہی گم گشتگان راہ کو ہدایت و صداقت کی دولت نصیب ہوئی اور وہ دولت ایمان سے مالامال ہوئے۔ آپ کی شب و روز کی مساعئ جمیلہ سے عالم کے ہر کونے میں ایمان و اسلام کی قندیلیں روشن و منور ہوگئیں، سبھی کی زبانوں پر قرآن کریم کے لاہوتی نغمے وردِ زباں ہوگئے، یہی نہیں بل کہ آپ کی مقدس تعلیمات وارشادات لوگوں کے قلوب و اذہان میں اس طرح جاں گزیں اور اثر انداز ہوئے کہ وہ اخلاص و تقویٰ، صدق و صفا اور جود و سخا کے پیکر بن گئے اور آپ کی صحبت بابرکت اور روحانی تربیت کے فیض یافتہ بن گئے۔ آپ کی بارگاہ علم و فیض سے خوشہ چینی کرنے والی اور دینی و روحانی تربیت پانے والی اسی مقدس جماعت کو "صحابہ" کہا جاتا ہے۔ جنھوں نے اسلام کی مقدس و مطہر تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں آپ کا ساتھ دیا۔ اسلام کے پیغامِ امن و محبت اور اخوت و بھائی چارگی کو دور دور تک پھیلانے میں آپ کے قدم بقدم چلے، طائف اور ہجرت جیسے سخت ترین حالات میں بھی آپ کا دستِ اقدس تھامے رہے، جب کفر و اسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو اس وقت بھی اس عظیم جماعت نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا، بل کہ آخری محاذ تک لڑتے رہے اور فتح و ظفر تک آپ کے دست و بازو بنے رہے۔ گویا ہر وقت اور ہر محاذ پر صحابۂ کرام اپنے پیارے آقا ﷺ کے لیے رفیقِ کار ثابت ہوئے۔

بعض وہ صحابہ ہیں جنھوں نے اسلام کو اس کے ابتدائی ایام و حالات میں اس وقت سہارا دیا جب کہ اسلام کی حقانیت و صداقت اور تعلیمات و ہدایات کا سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا، انھوں نے اسلام کی اس وقت تصدیق و توثیق کی جب کہ اس کی پاکیزہ تعلیمات کی تکذیب و تنقیص کی جا رہی تھی۔ بھٹکی ہوئی قوم کو جادۂ راہ پر گامزن کرنے میں ایک داعیانہ فکر و کردار ادا کیا، اسی لیے تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس عظیم جماعت کے متعلق ارشاد فرمایا: «أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ» [جامع بیان العلم و فضلہ ۸۹۸/۲]

ترجمہ: "میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی پیروی کروں گے، راہ یاب ہو جاؤ گے"۔

ان بعض جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ میں ایک نمایاں اور قابلِ رشک نام حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جنھیں خلیفۂ سوم ہونے کے ساتھ ساتھ دامادِ رسول ﷺ ہونے کا شرفِ عظیم بھی حاصل ہے۔ آپ وہ عظیم المرتبت صحابیِ رسول ہیں، جنھیں بیک وقت کئی ایک مراتب و مناصب حاصل ہوئے۔ آپ نے راہِ اسلام میں بے شمار اور بے لوث قربانیاں پیش کیں، بڑے شدائد و آلام برداشت کیے، اور ہر آن ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے لیے دامے، درمے، قدمے ہر قیمتی تعاون پیش کیا، ہمہ وقت اسلام کے لیے اپنی جان تک ہتھیلی پر رکھا۔ میدانِ جنگ و جہاد میں سر بکف ہو کر نکلے اور از شروع تا آخر لڑتے رہے۔ اس طرح کے اور بھی دیگر ایثار و قربانی اور اخلاص و جذبے سے بھرپور خدمات و کارنامے ہیں، جو آپ کی جاں نثار اور وفا شعار شخصیت کے شاہدِ عدل ہیں۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلۂ نسب عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن قرشی اموی ہے۔

پیدائش: آپ عام الفیل کے تاریخی واقعے کے چھٹے سال بعد عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ میں تولد ہوئے۔ آپ کے بچپن کے ابتدائی حالات کتبِ تاریخ میں مذکور نہیں ہیں، البتہ بعد کی زندگی کے تفصیلی واقعات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

قبول اسلام: آپ نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شجرِ اسلام کی جڑیں نہایت ہی کمزور تھیں، آپ کے اسلام میں شامل

ہونے کے بعد اس کی جڑیں مستحکم و مضبوط ہوگئی ،اور اسلام ایک تناور درخت بن گیا۔آپ نے اپنے مال وزر اور مختلف طریقوں سے شجرِ اسلام کی آبیاری و آبشاری کی۔آپ کی اسلام کی خاطر دی گئی قربانیاں بے شمار ہیں ،جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ "حضرت صدیق اکبر ،حضرت علی اور زید ابن حارثہ کی اسلام آوری کے فوراً بعد ہی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالامال ہوئے اسی لیے آپ" سابقون الاولون"میں شمار کیے جاتے ہیں"۔(تاریخ الخلفا)

نکاح: اسلام کی عظیم دولت سے سرشار ہونے کے بعد اللہ ورسول کے نزدیک آپ کا مقام ورتبہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔یہاں تک کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے آپ کو اپنی وہ عظیم چیز تفویض کی جو آپ کے لیے دنیا میں نعمت غیر مترقبہ سے کسی طرح کم نہیں تھی، حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں ،جو شرف کسی صحابیِ رسول کے حصے میں نہیں آیا۔سب سے پہلے آپ کی زوجیت میں حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئی۔یہ نکاح اتنا بابرکت ٹھہرا کہ ساکنان مکہ کے لبوں اور زبانوں پر عام طور پر یہ الفاظ رواں تھے:۔"بہترین جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا رقیہ اور ان کے خاوند حضرت عثمان کا ہے"۔

قیامِ مدینہ کے دوران جب کفر وشرک کی مدبھیڑ ہوئی اور لشکر اسلام غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حالت علالت میں دیکھ کر حضور ﷺ نے حضرت عثمان کو ان کی تیمارداری کے لیے غزوۂ بدر میں شرکت سے باز رکھا۔چناں چہ غزوۂ بدر کے دوران ہی مدینہ منورہ میں مرض وعلالت کی تاب نہ لاکر داغِ مفارقت دے گئی۔لشکرِ اسلام جب فتح وظفر کے ساتھ خوش وخرم واپس لوٹا تب تک حضرت رقیہ کی تجہیز وتکفین عمل میں آچکی تھی۔حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کی تیمارداری کرتے رہنے پر غزوۂ بدر میں عدم شمولیت کے باوجود آپ کو مالِ غنیمت سے کچھ حصہ عطا فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ شرکاے بدر کے مانند اجر بھی عطا فرمایا۔اسی لیے آپ کو اہلِ بدر میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کے کچھ دن بعد ہی آپ کا دوسرا نکاح حضور ﷺ نے اپنی دوسری شہزادی حضرت امِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا جو پانچ سال زوجیت میں رہنے کے بعد ۹/ہجری میں وصال فرماگئی۔

خلافت: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل آئندہ بیعت وخلافت کے مسئلے کے تصفیہ وحل کے لیے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی، تاکہ لوگ خلافت کے لیے آپس میں برسرپیکار نہ ہوجائیں ،ان تمام اشخاص میں سبھی صائب الرائے ،منصف وعادل اور خداترس لوگ شامل تھے جیسے کہ حضرت زبیر، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہ ،حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان میں سبھی عشرۂ مبشرہ سے ہیں۔جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تیسرے ہی روز مسئلۂ خلافت اٹھا، تو اس کے لیے بے شمار دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے،ایک کشمکش کا ماحول تھا،ہر طرف سرگوشیاں ہو رہی تھیں، کئی ایک مدعیان خلافت اس کے حصول کے لیے قطار میں کھڑے تھے۔ایسے نازک اور تشویش ناک حالات میں مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھ کر بلا چوں چرا کیے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑا اور کہا، اللہ کی سنت، رسول ﷺ کی سنت اور آپ سے پہلے دو خلفا کی سنت کے موافق اے عثمان! ہم آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہیں ۔اس کے بعد تمام انصار ومہاجرین نے یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔اسی طرح باآسانی آپ کی خلافت عمل میں آئی۔آپ نے اپنے بارہ سالہ دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت واقتدار کو سابقین خلفا ہی کی طرح ایمان داری، دیانت داری، رعایا پروری، کفایت شعاری، اور احکامِ خداوندی کے ساتھ بحسن وخوبی چلایا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا رقبہ ودائرہ کافی وسیع ہوگیا تھا۔

اگر آپ کے دور خلافت کے گوناگوں کارناموں اور عظیم خدمات کو صفحۂ قرطاس پر ضبطِ تحریر میں لایا جائے تو ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ہم یہاں چند کو ایجاز واختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

فضائل ومراتب: آپ کے بے شمار فضائل ومراتب ہیں ،جن میں سے ایک مقام ومرتبہ یہ ہے کہ آج تلک امتِ مسلمہ میں آپ کامل الحیاء والایمان کے ایک عظیم لقب سے جانے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کردہ حدیث آپ کے حیا وشرافت کو خوب واضح کرتی ہے:چناں چہ "حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے ،دراں حال کہ آپ کی دونوں رانیں یا دونوں پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں، حضرت ابوبکر نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی ،دراں حالے کہ آپ اسی طرح لیٹے رہے، پھر آپ باتیں کرتے رہے ،پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی، آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی، دراں حالے کہ آپ اسی طرح لیٹے رہے ،اور باتیں کرتے رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو

رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے، (راوی کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ یہ ایک دن کا واقعہ ہے) حضرت عثمان باتیں کرتے رہے، جب وہ سب چلے گئے تو حضرت عائشہ نے کہا، حضرت ابو بکر آئے تو آپ نے ان کا کچھ خیال نہ کیا، اور نہ ہی ان کی کچھ پرواہ کی، حضرت عمر آئے تو آپ نے ان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی، اور جب حضرت عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے اپنے کپڑے درست کر لیے؟ آپ نے فرمایا، میں اس شخص سے کیسے حیا نہ کروں، جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔" (شرح صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، ص:۹۳۲)

☆عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں، جنہیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت و خوش خبری سنائی تھی۔ حدیثِ مبارکہ ہے: حضرت حسان بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اگلے اور پچھلے کام بخش دیے اور وہ کام جو تم نے پوشیدہ کیے اور جو ظاہر میں کیے اور وہ جو ہونے والے ہیں"۔ (صحیح مسلم شریف، جلد ۶، ص: ۹۳۸)

☆آپ "ذوالنورین" یعنی دو نور والے بھی ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، جس کے سبب سے آپ کو "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دے دیتا حتیٰ کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہتی"۔ (صحیح مسلم شریف)

☆آپ "مجلس مشارت" کے بھی ایک اہم رکن تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قائم کردہ مجلسِ مشاورت، جن میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے، اس مجلس کے آپ ایک فعال اور متحرک رکن تھے۔ یہ مجلس تمام قومی اور روز مرہ کے معاملات کے تصفیہ و حل کے اہم مقصد سے قائم ہوئی تھی۔

خدمات و کارنامے: ☆آپ نے ۲۶ھ میں مسجد حرام کے ارد گرد کے کچھ مکانات خرید کر مسجد کی اراضی میں شامل فرما دیا اور مسجد حرام کی عمدہ طور پر تعمیر و توسیع فرمائی۔

☆اسی طرح ۲۹ھ میں مسجد نبوی ﷺ کی توسیع فرمائی۔ علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق "آپ نے تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کی، اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائے اور چھت میں ساگوان لگوایا، مسجد کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ رکھا"۔

☆۲۴ھ میں آپ نے سپاہیانِ اسلام کی عظیم فوج کے ذریعے آذر بائیجان اور آرمینیہ پر چڑھائی کی اور وہاں کے ساکنوں کو مطیع کر کے پرچم اسلام لہرایا۔

☆۲۶ھ میں الجزائر اور مراکش جیسے علاقوں کو بھی فوج کشی کر کے اسلام کے حدودِ سلطنت میں شامل فرما لیا۔

☆۲۷ھ میں خطۂ ایشیا کے مشہور علاقے "ارجان اور دراجرو فتح ہوئے۔ اسی سال افریقہ فتح ہوا، جو تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے اس فتح کے بعد ڈھیر سارا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسی سال اندلس (اسپین) بھی فتح ہوا۔ یہ سال حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے لیے ایک اہم تاریخی اور فتح یاب ثابت ہوا۔

☆۲۸ھ میں بحیرۂ روم میں شام کے قریب قبرص بحری جنگ سے فتح کیا۔

☆۳۰ھ میں طبرستان پر بھی فتح و کامرانی کا علم بلند کیا۔

☆۳۳ھ میں قسطنطنیہ سے متّصل علاقوں میں مرو در، طالستان، اور جوز جان اور دیگر علاقوں کو فتح و ظفر سے ہم کنار کیا۔

ان تمام تاریخی حملوں میں افریقہ اور قبرص کے حملے سرفہرست اور قابل ذکر ہیں۔

☆تعمیری و رفاہی کاموں کے ساتھ ساتھ دور عثمانی میں اسلامی ممالک کا رقبہ بھی کافی بڑھا، جس کی وجہ مسلسل فتوحات بنیں۔ اسی طرح بہت سے تاریخی مقامات فتح ہوئے اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور مال کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ اس کے لیے ایک علاحدہ بیت المال کھولنا پڑا۔

☆آپ کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ جمعِ قرآن کریم ہے، جو آپ نے سخت حالات اور چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے متعدّد نسخوں اور صحیفوں کو ایک صحیفے میں جمع فرمایا، جو آج مصحفِ عثمانی کے نام سے معروف ہے۔

حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو اس سے قبل بھی عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ صدیقی میں قرآن کریم کی جمع و تدوین ہو چکی تھی۔ لیکن عہدِ نبوی کی تدوین محض کتابتِ آیات وسور اور ان کی ترتیب پر مشتمل تھی۔ اور دورِ صدیقی میں آیات وسور کو ایک صحیفے میں لکھا ضرور گیا مگر یہ بھی کتابت تک ہی محصور رہی۔ لیکن جب دورِ عثمانی آیا تو قرآنِ کریم کی قرأت کو لے کر بہت زیادہ اختلافات رونما ہوئے۔ ایسے

حالات میں آپ نے متعدّد صحیفوں کو جو اس سے قبل مدون ہو چکے تھے، جمع فرمایا اور اختلافِ قرأت کو ختم فرما کر ایک خط میں جمع فرمایا جسے آج خطِ عثمانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف قرآتوں کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کے اختلافات رفع دفع ہو گئے۔ اسی سبب سے آپ کو جامع القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

ہجرت: مشرکینِ مکہ کے مظالم و شدائد سے بچنے اور فریضۂ دعوت و تبلیغ کے لیے اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے صحابہ و صحابیات کی ایک جماعت کو جانبِ حبشہ ہجرت کا حکم دیا، جن میں سولہ مرد و عورتیں شامل تھیں، اور اس جماعت کے سربراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو مع اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ تھے۔ اسلام کی یہ پہلی ہجرت تھی۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیامِ حبشہ کے دوران اللہ کے نبی ﷺ کی مدینہ شریف ہجرت کی اطلاع ملی تو آپ نے رختِ سفر باندھا اور اپنی اہلیہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مدینہ شریف ہجرت فرمائی، آپ حبشہ میں تین سال تک سکونت پذیر رہے اور مدینہ شریف کی طرف یہ آپ کی اپنی اہلیہ کے ساتھ دوسری ہجرت تھی۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ "یہ دونوں (یعنی میاں بیوی) حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اللہ کی طرف ہجرت کی ہیں" اسی وجہ سے آپ کو "ذوالہجرتین" بھی کہا جاتا ہے۔

خصائل و محامد:

(۱) صبر و استقلال: آپ کے صبر و استقلال کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ بغاوت و سورش کے المناک ایام میں چالیس روز تک محصور رہے، اس دوران ضروریاتِ زندگی اور کھلی فضا سے محروم رہنے کے باوجود بھی درپیش مسائل کا سامنا کیا اور نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ بھوک و پیاس کو برداشت کر کے صبر تحمل اور عزم و استقلال کا کامل مظاہرہ فرمایا۔ آپ نے اپنی خلافت کے تحفظ کی خاطر مسلمانوں کو آپس میں لڑوانا گوارہ نہ کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قدر صابر و متحمل مزاج تھے، جو بڑی سے بڑی مصیبت اور پریشانی پر ثابت قدم رہے۔

(۲) جود و سخا: آپ نہایت ہی وسیع الظرف، سخی و جواد اور فیاض انسان تھے۔ قدرت نے آپ کے اندر بے انتہا جود و سخاوت ودیعت کر رکھی تھی، خدائے تعالیٰ کا آپ پر بے پناہ فضل و احسان تھا کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے رئیس اور دولت مند تھے، یہاں تک کہ آپ کی پیدائش و پرورش تک ایک متمول گھرانے میں ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی دولت و ثروت سے اسلام اور مسلمانوں کو ہر مشکل وقت میں ہر ممکنہ تعاون کر کے مصائب اور پریشان کن حالات سے باہر نکالا۔ اسی طرح جنگی حالات میں بھی اپنے مال و زر سے سپاہیانِ اسلام کی مدد و نصرت کی، جیسا کہ "الاستیعاب" کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے "جنگِ تبوک" میں دس ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے ساز و سامان سمیت دیے تھے"۔ (الاستیعاب، ج۲، ص:۸۸۴)

اسی طرح "بئر رومہ" جو کہ ایک یہودی کی ملکیت میں تھا، آپ نے اسے ۲۰ ہزار دینار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور انہیں تکالیف سے چھٹکارا دلانے میں بہت بڑا رول ادا کیا۔ اس طرح کے اور بھی دیگر واقعات ہیں جن سے آپ کی فیاضی اور دریا دلی کا پتہ چلتا ہے۔

(۳) زہد و تقویٰ: آپ کے کندھوں پر امورِ خلافت کا اتنا بڑا بار ہونے کے باوجود بھی آپ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ اپنے شب و روز کا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ دن میں امورِ خلافت سرانجام دیتے تھے اور رات کے وافر حصے تک عبادت و بندگی بجا لاتے تھے۔ بسا اوقات تو آپ ایک ہی رکعت میں قرآن کریم ختم فرما دیا کرتے تھے۔ جب آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جاتے، تو خود امیرِ حج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ گویا جس جہت اور جس پہلو سے بھی دیکھیے، آپ زاہد و متقی، عبادت گزار اور خدا ترس نظر آتے ہیں۔ گوناگوں اوصاف و محاسن آپ کے اندر بیک وقت جمع تھے۔

(۴) دس خصلتیں: علامہ جلا الدین سیوطی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "تاریخ الخلفا" میں اس حوالے سے لکھا کہ ابن عساکر نے ابو ثور فہمی کی زبانی لکھا ہے کہ میں حضرت عثمان کے پاس اس حالت میں گیا جب کہ آپ محصور تھے، اس زمانے میں آپ نے فرمایا "میری دس خصلتیں اللہ کے پاس محفوظ ہیں:

(۱) اسلام آوری میں چوتھا شخص ہوں۔ (۲) رسالت مآب ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیوں کا میرے ساتھ نکاح فرمایا۔ (۳) میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔ (۴) کھیل کود میں کبھی منہمک و مشغول نہیں ہوا۔ (۵) میں نے کبھی بدی و برائی کرنے کی تمنا تک نہیں کی۔........ **(باقی ص:۳۹ پر)**

انوارِ حیات

علامہ شاہ فضلِ رسول بدایونی

احوالِ زیست

توفیق احسنؔ برکاتی

ممدوح امام احمد رضا سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شہر بدایوں میں صدیوں سے آباد خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے ایک جلیل القدر فرد، تیرہویں صدی ہجری میں غیر منقسم ہندوستان کے مایۂ ناز مفتی و عالم اور منقولات و معقولات کے امام تھے۔ فقہ و تصوف، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تبلیغ وارشاد، افتا و قضا اور تحقیق و تدقیق میں خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کی قریب آٹھ سو سالہ جیتی جاگتی خدمات کا ایک زندہ تسلسل ہماری دینی و خانقاہی تاریخ کا ایک زریں اور قابل صد رشک باب ہے۔ ملک ہندوستان میں اس خانوادے کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری جو جامع القرآن امیر المؤمنین حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں، ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں قطب الدین ایبک کے لشکر کے ساتھ بدایوں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں:

”چھٹی صدی کے اختتام پر سلطان قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ھ (۱۲۰۲-۳ء) قطعہ کالنجر اور کالپی کی فتح کے بعد قلعۂ بدایوں کو فتح اور یہاں مستقل اسلامی حکومت قائم کر کے گرد و نواح کے بہت بڑے علاقے کو صوبۂ بدایوں میں الحاق کیا اور سلطان شمس الدین التمش کو یہاں کی حکومت تفویض کی گئی۔“ (اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۴۳)

سلطان شمس الدین التمش خود ایک خدا شناس، رعایا پرور اور علم و فضل کا قدر دان تھا۔ حضرت قاضی دانیال قطری چوں کہ ظاہری کمال کے ساتھ باطنی خوبیوں کے بھی مالک تھے، حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے شرف بیعت حاصل تھا اس لیے بدایوں کی حکومت ہاتھوں میں لیتے ہی سلطان نے اطراف و اکناف سے صاحبانِ علم و فضل اور اربابِ کمال کو تلاش کر کے بلانا شروع کیا اور بدایوں کے آسمان پر علم و آگہی، زہد و ورع اور فقر و غنا کی نورانی ہستیاں مثل آفتاب و ماہتاب جگمگانے لگیں۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اسی زمانے میں قاضی دانیال قطری جو نواحِ قطر سے ترکِ سکونت کر کے جیش اسلامی کے ہمراہ ہندوستان وارد ہو کر اول لاہور میں مقیم ہوئے تھے، اس کے بعد مقام دیو بند میں کچھ دنوں رہ کر ایک عالم کو مستفیض کر کے شہرت کامل حاصل کر چکے تھے، سلطان کی اشتیاق آفریں طلب کی بدولت ہاتھوں ہاتھ بدایوں بلائے گئے۔ عزت و تکریم سے خیر مقدم کر کے عظمت و وقار کی مسند پر بٹھایا، عہدۂ قضا حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا۔ اس وقت سے آپ دائرہ حکومت شمسی کے قاضی القضاۃ مشہور ہوئے۔“ (حوالہ سابق: ص:۴۴)

قاضی دانیال قطری تادم وصال اس عظیم منصب پر قائم رہے یہاں تک کہ ۶۱۸ھ (۲۲-۱۲۲۱ء) میں بدایوں میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ کے بعد سے اب تک آپ کی نسل میں علم و فضل کا یہ رنگ اور یہ سلسلہ قائم ہے۔ اس امتیازی فضل و کمال کو آٹھ صدیاں گزر چکی ہیں۔ ممدوح گرامی حضرت سیف اللہ المسلول ____ حضرت عثمان ذو النورین کی نسل میں اکتیس اور حضرت قاضی دانیال قطری کی نسل میں سترہویں اولاد ہیں۔ آپ مولانا شاہ عبد المجید بدایونی (متوفی ۱۸۲۱ء) کے فرزندِ ارجمند اور مولانا شاہ عبد الحمید قادری بدایونی (متوفی ۱۲۳۳ھ) کے پوتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری مارہروی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ سیف اللہ المسلول کی ولادت ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں بدایوں میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ”ظہور محمدی“ ہے۔ شمس مارہرہ نے آپ کے والد ماجد کو ولادت کے قریب فرزند ہونے کی بشارت دی تھی اور جب ولادت ہوئی تو آپ کا نام شمس مارہروی نے ”فضل رسول“ رکھا- ابتدائی تعلیم دادا محترم اور کچھ والد ماجد سے حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پا پیادہ فرنگی محل لکھنؤ کا سفر کیا اور محض چودہ برس کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ حضور اچھے میاں مارہروی کے حکم و ارشاد پر علمِ طب کی تحصیل کی اور بعد میں مدرسہ قادریہ کی بنیاد ڈالی۔ سرکاری ملازمت بھی کی، ملک کے مختلف گوشوں میں جہاں بھی رہے تدریس و تصنیف سے رشتہ استوار کیا۔(ترجمة فضل الرسول البدايونی للاستاذ محمد احمد المصباحی، مشموله: المعتقد المنتقد، مطبوعه رضا

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اکیڈمی، ممبئی، مئی ۱۹۹۹ء، ص: ۴۴۱،۴۴۰)

مولوی رحمان علی "تذکرۂ علمائے ہند" میں لکھتے ہیں:

"مولوی فضل رسول بدایونی بن مولوی شاہ عبدالمجید قدس سرہ ماہ صفر ۱۲۱۳ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے، ان کا تاریخی نام "ظہور محمدی" ہے۔ مروجہ درسی کتابوں کی تحصیل وتکمیل مولوی نورالحق فرنگی محلی خلف مولانا انوارالحق شاگرد ملک العلما بحرالعلوم ملا عبدالعلی سے کی۔ قصبہ ردولی میں مخدوم شاہ عبدالحق قدس سرہ کے مزار کے سامنے اکابر علمائے وقت مثلاً مولوی عبدالواسع، مولوی عبدالواجد خیرآبادی، مولانا ظہوراللہ فرنگی محلی وغیرہ نے رسم دستار بندی ادا فرمائی۔ علم طب حکیم ببر علی خان موہانی، علم حدیث وتفسیر شیخ مکہ عبداللہ سراج اور شیخ المدینہ شیخ عابد مدنی اور علم تصوف اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ قادریہ وچشتیہ سلسلے میں بیعت وخلافت اپنے والد ماجد سے پائی۔ چند بار حرمین شریفین گئے اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بار دہلی سے احرام باندھ کر ممبئی تک پیدل گئے، اسی سال کامل جذب وارادت کے ساتھ بغداد شریف گئے۔ سجادہ نشین درگاہ غوثیہ سید علی نے بھی خاص طور سے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ غرض ہمیشہ مخلوق کی ہدایت وتعلیم اور تدریس میں مشغول رہتے۔ وہابیوں کی بیخ کنی میں بہت کوشش کرتے۔ بہت سے مشہور علما وفضلا نے ان سے استفادہ کیا۔ ان میں مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی سخاوت علی جون پوری، مفتی اسداللہ الہ آبادی، مولوی شاہ احمد سعید رام پوری اور مولوی عنایت رسول چریاکوٹی ہیں۔ ۳؍جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں بروز پنج شنبہ بعد نماز ظہر ۸۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا، بدایوں میں دفن ہوئے۔ مولوی عبدالسلام مرادآبادی نے ان کی تاریخ انتقال فقرہ "انا فضل الرسول" سے نکالی ہے۔ تصانیفِ مشہورہ بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، معتقد منتقد، سیف الجبار، فوزالمومنین، تلخیص الحق، احقاقِ حق، شرحِ فصوص الحکم، رسالۂ طریقت، حاشیہ میر زاہد، حاشیۂ ملا جلال، طب الغریب اور متفرق مسائل میں دیگر رسائل۔" (تذکرہ علمائے ہند، مترجمہ: ڈاکٹر ایوب قادری، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۸۰،۳۸۱)

مولانا محمود احمد قادری نے "تذکرہ علمائے اہل سنت" (مطبوعہ فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰۸ تا ۲۱۰) اور مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری گنوری نے "اکابرِ بدایوں" (مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، مارچ ۲۰۱۳ء، ص: ۱۸ تا ۳۷) میں صاحبِ تذکرہ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کا ذکر بڑے اہتمام اور تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

علامہ سید امام الدین گلشن آبادی اپنی اہم تصنیف "تذکرۃ الانساب" میں رقم فرماتے ہیں:

"آپ مشاہیر علمائے کاملین سے ہیں، جامع علوم ظاہری وباطنی تھے، ۱۲۱۳ ہجری کو تولد ہوئے، انوار فیوضات ظاہری وباطنی آپ کے تمام ہند بلکہ عرب میں لامع ودرخشاں ہیں۔ تصانیف آپ کی بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل وغیرہ رسائل اس زمانہ میں مفید انام وفیض دہ خاص وعام ہیں۔ فرق ضالہ وہابیہ کے عقائد باطلہ کی تردید میں آپ نے بہت رسالے لکھے ہیں۔ تین بار حج بیت اللہ سے شرف یاب ہوئے، اور بغداد جاکر حضرت مرشد عالم غوث الاعظم قدس سرہ کی ارواح مبارک سے فیض اویسیہ قادریہ اخذ کیا۔ یہ راقم خورد سالی میں آپ کے دیدار قدوم سے مشرف ہوا ہے اور جامع اوراق کے جد امجد سید عبداللہ حسینی اور والد ماجد حضرت مولانا مولوی سید اشرف علی مد ظلہ نے نعمت خلافت قادریہ کو آپ سے اخذ کیا ہے اور چند ماہ تک شہر بمبئی میں اکثر درسی کتابیں دینیات کی آپ کی خدمت میں دیکھی ہیں اور اس راقم کے وطن شہر ناسک میں آپ کے قدوم فیض لزوم کے تشریف لانے سے کئی حضرات خاندان قادریہ میں آپ سے بیعت ہوئے اور محی الدین والدولہ صدر الصدور کے زمانہ میں آپ حیدرآباد دکن میں تشریف لائے۔ امرا وعلما وہاں کے آپ کے قدوم کو باعث برکت سمجھتے تھے، وہاں ہزارہا مریدین آپ سے فیض یافتہ ہیں۔"

(سید امام الدین گلشن آبادی تذکرۃ الانساب، افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۲ھ، ص: ۲۵،۲۶)

سیف اللہ المسلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں عہد طفلی ہی سے علم وفضل اور فقر وغنا کے آثار نمایاں تھے، گھرانے کی علمی شخصیات اور مشہور اساتذۂ فن کی نگاہ کیمیا اثر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اس کے علاوہ حد درجہ عبادت وریاضت وچلہ کشی نے آپ کے باطن کو کندن بنا دیا جس کی وجہ سے آپ علم وفضل کے ساتھ زہد وتقویٰ اور فضل وکمال میں یکتائے زمانہ رہے اور وقت کی مشہور درس گاہی وخانقاہی شخصیات سے روابط وتعلقات اور افادہ واستفادہ نے اس ہیرے کی تراش خراش میں بنیادی رول ادا کیا اور آپ رشد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف وبحث ومناظرے کا فریضہ نبھاتے رہے۔ تحریراً وتقریراً ہر اس فتنے کا سدباب کیا جو دین کی بنیادی تعلیمات اور مسلمہ عقائد ونظریات کے لیے زہر آلود تھا، آپ کی درجنوں تصانیف اور تقریری مجالس اس حقیقت کے بیان پر شاہد عدل ہیں۔

مفتی محمود احمد قادری رقم طراز ہیں:

"حضرت نے وہابیت کے انسداد کے لیے بڑی کوشش فرمائی، مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے تذکرۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب صاحب کے مزار شریف پر معتکف تھے، عین مراقبہ میں دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دست اقدس پر اس قدر کتب کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آتی ہے، آپ نے عرض کیا، اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی؟ ارشاد مبارک ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمہ لے کر شیاطین وہابیہ کا قلع قمع کرو۔ بہ مجرد اس ارشاد کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشاد والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ کتاب مستطاب "بوارق محمدیہ" تالیف فرمائی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیف اللہ المسلول صفِ اول کے ان ممتاز علما ومشائخ میں تھے جنہوں نے فتنۂ وہابیت کے سدباب کے لیے کوشش بلیغ فرمائی۔ آپ کی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی ذات قدسی صفات کی وجہ سے اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق دور اول میں "بدایونی اور خیر آبادی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔"

(تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰۹، ۲۱۰)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی لکھتے ہیں:

"آپ انتہائی جری وبے باک تھے، اعلاے کلمہ حق میں آپ نے کبھی بھی مصلحت سے کام نہیں لیا، شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے ذریعہ جب ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان دینی ومذہبی انتشار برپا ہوا تو اس کے سدباب کے لیے آپ نے بھرپور کوششیں فرمائیں۔"

(تاریخ مشائخ قادریہ، جلد دوم، مطبوعہ بزم قاسمی برکاتی، بدایوں، ۲۰۰۱ء ص: ۲۷۰)

سیف اللہ المسلول امام معقولات ومجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی کے معاصر تھے، ہم مسلک، ہم مزاج اور ہم مجاہدہ تھے۔ مولانا خوشتر نورانی رقم طراز ہیں:

"سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی (۱۲۸۹ھ/ ۱۲۱۳ء) علامہ فضل حق خیر آبادی کے معاصر تھے، ان دونوں کے درمیان خلوص ومحبت اور دوستانہ مراسم تھے، دین وسنیت کی اشاعت اور اعتقادی انحراف کے خلاف تحریک میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی کی مشہور زمانہ تصنیف "المعتقد المنتقد" پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ اسی رشتہ خلوص ومحبت کی وجہ سے سیف اللہ المسلول نے اپنے صاحب زادے تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی (۱۲۵۳ھ/ ۱۳۱۹ء) کو معقولات کی تحصیل کے لیے علامہ خیر آبادی کی درس گاہ میں لکھنؤ اور الور بھیجا۔ علامہ کے شاگردوں کی طویل فہرست میں وہ چار حضرات جو عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں ان میں ایک مولانا عبد القادر بدایونی بھی ہیں۔" (علامہ فضل حق خیر آبادی، چند عنوانات: حاشیہ۔ قومی کونسل، نئی دہلی ۲۰۱۳ء، ص: ۱۵۷، ۱۵۸)

جب مکتبہ رضویہ لاہور نے ۱۹۷۲ء میں آپ کی کتاب "سیف الجبار" شائع کی تھی تو آغاز کتاب میں بطور مقدمہ علامہ عبد الحکیم شرف قادری ــــــ نے "تعارف مصنف" کے عنوان سے ایک جامع تذکرہ تحریر فرمایا تھا۔ آپ کی یہ تحریر بعد میں "مجموعہ رسائل فضل رسول" (مرتبہ مولانا اسید الحق قادری بدایونی، ص: ۷۶، تا ۹۳) میں شامل کی گئی۔ اسی تحریر میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

"مولانا شاہ فضل رسول قادری ان علما میں سے تھے جنہوں نے اس نئے فتنے (وہابیت) کی تردید کے لیے بھرپور تقریری کام کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جنہیں اہل علم سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ مولانا کی ساری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی کوششوں میں حفاظت دین کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آئے گا۔ کیا اس بات کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں تقریر کے ذریعے عقائد باطلہ کی تردید نہیں کی۔ حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۳۹ تالیف ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری کے مطالعے سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا طالب علمی کے زمانے ہی سے ردوہابیت کی ابتدا کرچکے تھے۔"

(علامہ فضل رسول بدایونی، مجموعہ رسائل فضل رسول، رضا اکیڈمی، ۲۰۱۰ء ص: ۹۰)

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ اسی مضمون میں علامہ شرف قادری نے آپ کے اکیس تلامذہ کے نام شمار کرائے ہیں۔ جب کہ مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری نے "اکمل التاریخ" (ص ۱۸۱ تا ۱۹۶) میں آپ کے بائیس تلامذہ کے مختصر احوال درج کیے ہیں، جن میں دو نام انتہائی شہرت یافتہ ہیں، ایک مولانا عنایت رسول چریاکوٹی کا اور دوسرا مولانا سید عبد الفتاح گلشن آبادی کا۔ اور آپ کے اساتذہ کے ضمن میں چار شخصیات مولانا نور الحق فرنگی محلی، حکیم سید ببر علی موہانی، شیخ محمد عابد مدنی اور عبد اللہ سراج کا مختصر تعارف تحریر کیا ہے۔ (اکمل التاریخ، بدایوں، ص: ۱۷۶ تا ۱۸۰)

حضرت سیف اللہ المسلول نے جہاں دیگر علمی وفنی موضوعات پر کتب وتصانیف کا گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے وہیں اس وقت کے سب سے

بڑے اسماعیلی وہابیہ فرقے کے رد وابطال اور تعاقب وتنقید پر مبنی علمی وتحقیق مقالات اور کتابیں تحریر کی ہیں اور بدمذہبیت کا قلع قمع فرمایا ہے بلکہ سچائی یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے مزعومہ وہابی عقائد ونظریات کے رد وابطال میں پیش پیش رہنے والے اس وقت کے جید علما میں آپ کا نام اولین سالاروں میں ہوتا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف میں سیف الجبار، بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، احقاق حق، فصل الخطاب اور اکمال فی بحث شد الرحال وغیرہ کا نام آتا ہے۔ مشہور نشریاتی وطباعتی ادارہ رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۱۰ء میں "مجموعہ رسائل فضل رسول" کے نام سے مولانا اسید الحق قادری کے ترجمہ، تخریج اور ترتیب کے ساتھ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل جو مجلد کتاب شائع کی ہے اس میں سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کے چار رسائل "رسالہ فصل الخطاب، اکمال فی بحث شد الرحال، فوز المؤمنین بشفاعۃ المومنین، رسالہ حرز معظم" اور اختلافی مسائل پر ایک فتویٰ شامل ہے۔ یہ وہی فتویٰ ہے جو ہند کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بعض اختلافی مسائل کی تحقیق کے لیے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جس میں محفلِ میلادِ پاک، فاتحہ، استمداد بالاولیاء، تعزیہ، کعبہ ومدینہ کی عظمت وبزرگی پر ہونے والے اعتراضات وایرادات کا بیان تھا اور آپ سے اس کا جواب طلب کیا گیا تھا۔

شاہی استفتا اور تاریخی فتویٰ سے متعلق مولانا ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

"یہ استفتا بارگاہِ سلطانی سے نواب معلی القاب علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ خلف الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خاں بہادر بدایوں لے کر آئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطۂ سلطانی پیش کیا گیا، آپ نے شاہی مہمان کو درویشانہ میزبانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جواب استفتا مرتب فرمایا۔ دہلی کے تمام اکابر علماے اعلام نے تصحیح وتصدیق کی مہریں کردیں۔ فرمانِ سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دار الخلافت شاہ جہان آباد محلہ زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا۔" (اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۲۸۶)

مجموعہ رسائل فضل رسول، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۲۶ تا ۱۶۶ پر یہ تاریخی فتویٰ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی نے اکمل التاریخ میں آپ کی ۲۲ تصانیف کا مختصر اور طویل تعارف پیش کیا ہے۔ (اکمل التاریخ، ص:۲۷۴ تا ۲۸۶)

سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی کی ایک مشہور کتاب "المعتقد المنتقد" ہے۔ اکمل التاریخ میں تحریر ہے کہ: "علم کلام کی وہ کتاب ہے اور ایسی تصنیف ہے جس نے بڑی بڑی کتابوں کی ضرورت واحتیاج سے مستغنی کردیا ہے۔ یہی پر سطوت تصنیف علم کلام وعقائد میں ایک محقق کامل اور متبحر وسیع الفیض معلم بنی ہوئی ہے۔ فرق باطلہ مستحدثہ زمانہ موجود کا رد جابجا شامل کیا گیا ہے گویا رد فلسفۂ جدید کی بنیاد قائم فرمائی تھی۔" (اکمل التاریخ، ص:۲۷۶)

یہ وہی کتاب ہے جس پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی، مولانا شیخ احمد سعید دہلوی اور مولانا حیدر علی نے تقریظات رقم فرمائی تھیں اور جس معرکۃ الآراء کتاب پر مجدد اعظم امام احمد رضا قادری بریلوی سرہ نے "المعتمد المستند" کے نام سے حاشیہ تحریر فرمایا۔ متن کتاب، حاشیہ وشرح اور حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن ایک ساتھ ایک ہی جلد میں ۱۹۹۹ء میں المجمع الاسلامی کے زیر اہتمام رضا اکیڈمی ممبئی سے ۴۸۸ صفحات پر مشتمل شائع ہوچکا ہے۔ مذکورہ متن اور اس کا حاشیہ عربی زبان میں تھا، تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری دام ظلہ نے ان دونوں کو اردو زبان میں ترجمہ کرکے اردو داں حضرات کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف سے پہلی بار ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں مجلد ۴۷۲ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آیا، جس میں امام احمد رضا کے رسالہ "انوار المنان" کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ پاکستان سے بھی طبع ہوچکا ہے۔ ابتدا میں عربی متن مدارس میں داخل نصاب تھا، اب بھی کچھ مدارس میں عربی متن مع حاشیہ اور چند ایک میں اردو ترجمہ داخل درس ہے۔ مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے "ضمیمہ اکمل التاریخ" (ص:۳۷۸ تا ۳۹۱) میں علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کی گیارہ کتابوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے اور انتہائی جامع الفاظ میں ان کتابوں کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

"مجموعہ رسائل فضل رسول" میں ہر رسالے کا مختصر تعارف مولانا اسید الحق قادری کے قلم سے زینت کتاب ہے۔ بزرگ قلم کار، مصنف ومحقق مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی اس مجموعے پر تحریر کیے گئے ۲۶ صفحات پر مشتمل اپنے طویل مقدمے میں ان کی چند تصانیف اور تحریرات کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔ علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے آپ کی سولہ مشہور تصانیف کا نام گنانے کے بعد تین کتابوں

المعتقد المنتقد، بوارق محمدیہ اور سیف الجبار کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

(تعارف مصنف: مجموعہ رسائل فضل رسول، رضا اکیڈمی ممبئی، ص:۸۱)

علامہ بدایونی علم ظاہری و باطنی دونوں کے مرجع تھے، اور فن طب میں بھی یکتائے روزگار تھے، سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد ماجد مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری سے شرف بیعت حاصل کیا تھا اور اسی سلسلے میں آپ انھیں کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے، خانقاہ قادریہ بغداد شریف کے اس وقت کے سجادہ نشین سے بھی خلافت حاصل تھی۔ مولوی نظام الدین نظامی بدایونی لکھتے ہیں:

"آخر عمر میں بینائی جواب دے گئی تھی۔ اپنے والد حضرت شاہ عبدالمجید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خرقۂ خلافت پہنا اور سجادہ نشین ہوئے اور سلسلۂ بیعت جاری کیا۔" (تذکرۂ خانوادۂ قادریہ، مرتبہ: مولانا عبدالعلیم قادری، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ستمبر ۲۰۱۲ء، ص:۵۰)

اسی تذکرے میں "مردانِ خدا" مؤلفہ مولانا ضیا علی خاں اشرفی کے حوالے سے مذکور ہے:

"پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے تھے۔ ایک بار قیامِ بغداد کے دوران عالم واقعہ میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیدار سے بھی مشرف ہوئے تھے اور معانقے سے سرفراز کیے گئے تھے۔"

ایک مرتبہ بہادر شاہ ظفر ایسے علیل ہوئے کہ زندگی کی توقع نہ رہی جب شاہی طبیب علاج سے عاجز ہوئے تو آپ کو علاج کرنے کے لیے طلب کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ نے بادشاہ کو صحت بخشی، صلے میں بادشاہ نے آپ کو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موے مبارک دیا جو آج تک قادری درگاہ کے تبرکات میں موجود ہے۔ (ایضاً، ص:۱۰۸)

مولانا لیٰسین اختر مصباحی نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے:

"۱۲۶۸ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ایک بیٹی بیمار ہوئی تو اس نے آپ کو دہلی مدعو کر کے اپنی بیٹی کا علاج کروایا جس سے اسے شفا مل گئی۔" (مقدمہ، مجموعہ رسائل فضل رسول: رضا اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ص:۳۱)

ممدوح گرامی ایک عالم و فاضل، مفتی و مصنف کے ساتھ ساتھ مرشد طریقت بھی تھے اور طبیب حاذق کے ساتھ انتہائی خوش فکر اور تصوف مزاج شاعر بھی تھے۔ "مولود منظوم" کے نام سے آپ کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے، مَسّت تخلص رکھتے تھے اور بہت عمدہ اور خیال افروز شاعری کرتے تھے، دو شعر ملاحظہ ہوں:

کتاب لوح محفوظ ایک ملفوظ محمد ہے
ہے قرآں مختصر شرح کمالات محمد میں

جو ظاہر اور مظہر میں ہے نسبت، ہے وہی نسبت
مناجات خدا میں اور مناجات محمد میں

آپ نے رشد و ہدایت کے لیے سلسلۂ بیعت کو بھی آگے بڑھایا اور ملک و بیرون ملک کے تشنگان معرفت کو آسودگی فراہم کی۔ سرزمین ممبئی اس عظیم و جلیل عالم و مفتی، مصنف و فقیہ اور مرشد و مربی کی کرم نوازیوں سے مسلسل فیض پاتی رہی یہاں کے علما اور عوام میں آپ کا حلقۂ اثر تھا اور سب عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے اور تعظیم بجا لاتے تھے۔ جامع مسجد بمبئی کے خطیب وامام عربی عالم دین مولانا سید محمد ابراہیم قدس سرہ کے تذکرے میں ملتا ہے کہ آپ اپنے متوسلین کو سیف اللہ المسلول سے مرید کرواتے تھے جب کہ آپ خود صاحب ارشاد مشائخ میں تھے۔ (اکمل التاریخ: حواشی، حصہ دوم، ص:۳۷۴)

مولانا ضیاء القادری بدایونی نے اپنی کتاب (اکمل التاریخ: ص:۲۵۶ تا ۲۶۸) میں آپ کے بارہ خلفاے مجاز کا تذکرہ شامل کر دیا ہے اور تذکرۂ مریدان خاص کے ذیل میں نواب ریاست علی خاں حیدرآبادی، شیخ چاند محمد قادری اور سید خواجہ حفیظ اللہ قادری پر مختصر تحریر ہے۔

اس تذکرے کی آخری بات لکھ کر قلم کو روکتے ہیں وہ یہ کہ سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی ـــــ کی علمی و اعتقادی ثقاہت واستناد کے ثبوت میں فقیہ اسلام شاعر اہل سنت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے حضرت سیف اللہ المسلول کی شان والاصفات میں تحریر کردہ دو عربی قصائد "قصیدۂ نونیہ اور قصیدۂ دالیہ" کو پیش کیا جا سکتا ہے، جسے امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے آج سے ۱۳۸ سال قبل ۱۳۰۰ھ میں ۳۱۳/ اشعار پر مشتمل عربی زبان میں نظم کیا تھا جو "قصیدتان رائعتان" (اردو ترجمہ وتشریح) کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے اکتوبر ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آ چکا ہے، جس کا عربی متن اس سے قبل کئی نشریاتی اداروں سے چھپ چکا تھا۔ عربی و اردو دنیا ان شاہ کار قصیدوں سے فیض پا رہی ہے۔ افسوس علم و فضل کا یہ آفتاب ۲/ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ /۱۸۷۲ء کو غروب ہو گیا۔ درگاہ قادری بدایوں میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کی اولاد میں ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے مولانا محی الدین مظہر محمود اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی یادگار رہے اور آپ کے علمی وروحانی فیضان کو آگے بڑھایا۔ ***

معاشی پس ماندگی کے وجوہات

اوران کا سدِّ باب

ڈاکٹر ظہور دانش

ایک زمانہ تھا کہ ایک شخص گھر کا کفیل تھا اور گھر کے تمام افراد کی کفالت کیا کرتا تھا۔ لیکن اب حال یہ ہو گیا ہے کہ گھر کا ہر بالغ شخص اپنی ضرورتوں اور آسائشوں کو پورا کرنے کی دوڑ میں بھاگا چلا جا رہا ہے۔ ایک ایسی دوڑ کہ جس کی نہ تو منزل کی خبر ہے اور نہ جیت کہاں پہنچ کر ملے گی اس کا بھی کوئی اتا پتا معلوم نہیں۔

یہ تو ایک پہلو تھا اب دوسرا پہلو ایک لفظ جو ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہے۔ بالخصوص ایشیائی ممالک میں تیزی سے عام ہوتا چلا جاتا ہے۔ لفظ معاشی بدحالی اور "بیروزگاری"۔

میں چونکہ یونیورسٹی سے ماسٹر ڈگری کے حصول کے بعد کچھ عرصہ یہ ذائقہ چکھ چکا ہوں لہذا اس کے متعلق بہتر اور دیانتدارانہ معلومات پیش کر سکتا ہوں۔

یہ بات تو حقیقت ہے کہ معاشرے کے بگاڑ میں بے روزگاری نے بھی اہم کردار ادا کر رکھا ہے۔ بیروزگاری کے باعث نوجوان یا تو گھر والوں پر بوجھ ہیں یا پھر معاشرے کے لیے ناسور ثابت ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں ایک فارغ دماغ شیطان کا گھروندہ ہوتا ہے۔ اس فارغ سوچ کے باعث بہت سی اخلاقی برائیاں اور بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ یہی وہ نوجوان ہیں جنھوں نے کچھ معاشرے کے لیے تعمیری کردار ادا کرنا تھا مگر جب فارغ ہوتے ہیں تو چوریاں کرنا، رہزنی جیسے واقعات میں ملوث ہو جانا، غیر ضروری سرگرمیوں میں پڑ جانا فطری سی بات ہے۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو ان مسائل سے پریشانی کے باعث نشے کے عادی بن جاتے ہیں جو کہ سماج کے لیے زہر قاتل ہے۔

محترم قارئین: آئیے سب سے پہلے ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس معاشی بدحالی اور اس بیروزگاری کے مرض کے اسباب کیا ہیں۔ تاکہ پھر ہم اس کے حل پر بات کر سکیں۔

۱۔ ناقص نظام تعلیم:

شعبہ تعلیم کا ناقص ہونا بھی بے روزگاری کا سبب ہے۔ اسکول و کالجز میں نصاب تعلیم کو یاد کرنے اور امتحانات پاس کرنے کے زعم میں طلبہ کو مستقبل کی پلاننگ کے حوالے سے نابلد رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو ان کے پاس ڈگری ہوتی ہے۔ ڈگری کی اہلیت نہیں ہوتی۔

۲۔ جدید ٹیکنالوجی:

بے روزگاری کے اضافے میں صنعت کے لیے انسانوں کے بجائے جدید مشینری، آلات اور ٹیکنالوجی کا استعمال اور صنعتی اداروں کی سرگرمیوں میں کمی کی وجہ سے روزگار کی فراہمی میں کمی ایک اہم سبب ہے۔

۳۔ غیر منصفانہ انداز:

بیروزگاری کی ایک وجہ سفارشی اور غیر منصفانہ انداز بھی ہے۔ جس میں نااہل کو اہل کی جگہ مواقع دینا۔ اس سے اہل لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں اور یوں اداروں میں نااہل شخص کی وجہ سے کمزوریاں باقی رہتی ہیں۔ ادارے بند ہوتے ہیں اور لوگ بیروزگار ہو جاتے ہیں۔

۴۔ فنی و تکنیکی تعلیم کی کمی و مہارت کی کمی:

ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بے روزگاری کا ایک سبب مہارت کی کمی ہے۔ طلبہ اداروں سے ڈگری کے حصول کے لیے جستجو کرتے ہیں۔ اس علم کی باریکیوں پر مہارت حاصل نہیں کرتے نیز تکنیکی و فنی تعلیم میں بھی کم مائیگی اور دلچسپی کا نہ ہونا بھی بیروزگاری کی وجہ ہے۔ جبکہ کسی بھی شعبہ میں حاذق و ماہر ہونا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

۵۔ غیر مستقل مزاجی:

بے روزگاری و معاشی پسماندگی کی دیگر محرکات میں سے ایک محرک یہ بھی ہے کہ لوگ فطرتاً غیر مستقل مزاج ہوتے ہیں کسی ایک نوکری، کسی ایک ادارے میں ٹک کر ملازمت کرنا ان کا مزاج نہیں ہوتا ہے۔

جس کی وجہ وہ ادارے بدلتے رہتے ہیں نوکری چھوڑنے کے بعد دوسری جگہ نوکری کی تلاش میں جُٹ جانایوں بیروزگاری کی فضا بنتی چلی جاتی ہے۔

۶۔اپنے سٹینڈر قائم کرنا:

نوجوانوں کو ابتدائی تعلیم کے بعد کوئی بہتر رہنمائی نہیں ملتی کہ مارکیٹ لیول پر کس قسم کی جابز اور بزنس کی مانگ زیادہ ہے اور جس نوجوان کے ہاتھ میں ڈگری آجائے وہ بڑے جاب کے انتظار میں بیٹھا رہتاہے اور نچلی سطح کی جاب میں عار محسوس کرتا ہے۔لہذا اس انداز سے بھی معاشرے میں بیروزگاری کا ماحول بنتا ہے۔خاندان کے خاندان پریشان رہتے ہیں کہ گھر کا کفیل ہاتھ پہ ہاتھ دھرے سٹینڈر کی جاب کا متلاشی ہے۔

۷۔علاقائی سطح پرروزگاری کے مواقع تقسیم نہ کرنا:

اپنے علاقے،ملک اور معاشرے کے افراد کے بجائے دوسرے علاقوں اور ممالک کے افراد کو نوکریاں دینا کسی بھی علاقے کے اندر بے روزگاری کا سبب بن سکتا ہے۔

۸۔بدلتے حالات وواقعات:

ان کے علاوہ کساد بازاری، موسموں کا تغیر،ملکوں کی باہمی جنگیں،سستی وکسل مندی اور والدین کی کمائی پر قناعت اور دیگر عالمی معاشی اسباب بھی بے روزگاری میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

۹:باہم روابط:

گھر سے پڑوس اور پڑوس سے محلہ اور محلہ سے علاقہ سطح پر باہمی روابط کی فضا قائم کرنے سے اخوت و بھائی چارہ کا ماحول بنے گا۔جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یونٹی کی صورت میں سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں گے۔مشکل سکھ دکھ میں دست راست بنیں گے۔یوں معاشی مشکلات کا بھی تدارک ممکن ہوگا۔

۱۰:صنعت وحرفت:

ایسے زون کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں لوگوں کو فنی تعلیم مفت یا پھر مناسب فیس کی مد میں سیکھنے کے مواقع ہوں۔اس سے وہ لوگ جو معاشرے پر بوجھ ہیں اور معاشی بدحالی کا شکار ہیں فن سیکھ کر خود کفیل بن سکتے ہیں۔

محترم قارئین یہ تو معاشی پسماندگی کے مسائل تھے۔لیکن اب اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ان کا حل کیا ہے۔اس معاملے میں اسلام نے ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔

☆اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات عالمگیر حیثیت رکھتی ہیں۔چنانچہ مسلمان معاشرے کا فرد اپنی معاشی ضروریات میں دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے خود ہی معاشی کوششیں کرے۔

☆اسلام نے سخت ضرورت اور اضطراری حالت کے بغیر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور بھیک مانگنے سے منع فرمایا ہے۔جیساکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”جو شخص باجود قدرت وطاقت کے لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ قیامت کے دن چہرے پر سوال کا داغ لیکر آئیگا۔(سنن الترمذی)

☆اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ حکام بے روزگاروں کو روزگار کے مواقع فراہم کریں۔ایسے راستے اپنائے جائیں جس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔

☆اگر اسلامی اصلاحات کی بات کریں تو اس اعتبار سے زکوۃ اور خراج کا نظام درست کرے اور اس سے مستحق لوگوں کی امداد اور بے روزگاروں کے لیے روزگار فراہم کیا جائے۔

☆بے روزگاروں اور عاجز لوگوں کو قرض حسنہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ اپنا کوئی کاروبار اور تجارت کرسکیں۔

اسلام نے معاشی پسماندگی کو کم کرنے کے لیے مکمل ایک ضابطہ بنا رکھا ہے۔بس بات یہ ہے کہ اگر اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو اس کے خاطر خواہ نتائج و ثمرات میسر آسکتے ہیں۔اگر ایک جملے میں معاشی پسماندگی کو اسلام کے پیرہن میں بیان کروں تو وہ یہ ہے کہ اسلام نے کچھ نظام پیش کیے ہیں۔جن پر عمل کرکے اس طوفان کو روکا جاسکتا ہے۔وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)نظام زکوۃ (۲)نظام خیرات

(۳)نظام میراث (۴)نظام اوقاف

حالات وواقعات کے پیش نظر یہ بنیادی مسائل اور ان مسائل کے بنیادی حل پیش کیے گے ہیں۔میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس مضمون کو آپ کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بناسکوں۔میں کس حد تک کامیاب ہوا اس کا اندازہ آپ کی عملی زندگی میں آنے والی تبدیلی اور میرے حق میں آپ کی دعاؤں سے ہوگا۔

---*-*-*---

تجزیہ

حقوق نسواں کا اصلی محافظ

اسلام یا مغرب؟

غلام سرور

اللہ تعالی نے اس عالم فانی کو پیدا فرمایا اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں رہنے والے ہر چرند و پرند کو جوڑوں میں عدم سے وجود بخشا۔ انسانوں میں مرد اور عورت اور اسی طرح جانوروں میں نر اور مادہ۔ الغرض سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے عورتوں کے حقوق مردوں کے مساوی دیا ہے یا نہیں۔ جیسے کہ ہم جانتے ہیں عورت بذات ایک صنف نازک ہیں اسی صنف نازک کے پاؤں تلے اللہ تبارک وتعالی نے جنت جیسی عظیم اور لافانی نعمت کو رکھا اور بچوں کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری بھی اسی نازک پہلو میں رکھا کیونکہ وہ رحم دل، نرم مزاج و شیریں زباں اور رقیق القلب ہوتیں ہیں۔ اسی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالی نے اس صنف نازک کو صنف قوی کے برابر کا حقوق دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اسلام میں مرد وزن کے حقوق یکساں اور مساوی ہیں۔

لیکن بعض نا واقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو مناسب درجہ نہیں دیا گیا ہے اور کئی طرح کے اوہام و شبھات ان کے ذہن میں بادلوں کی طرح منڈلا رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن وحدیث کا صحیح معنوں میں مطالعہ نہیں کیا ہے کیونکہ کتاب وسنت میں متعدّد جگہ پر ایسی وضاحتیں موجود ہے جس سے ظاہرا و باطنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ہر جگہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھا ہے اور مرد کے ساتھ اس کے تعلقات کو استوار بنا کر زندگی کو سدھارنے کی راہ بنائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ (سورۃ الروم آیت نمبر ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمھارے لیے تمھاری جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمھاری آپس میں محبت اور رحمت رکھی بیشک اس میں نشانیاں ہے دھیان کرنے والوں کے لیے۔

(کنز الایمان)

اسلام پر تہمت جیسا غلیظ و ناپاک دھبہ چسپاں کرتے ہوئے مغربی تہذیب میں سر اٹھانے والا مستشرق ایڈورڈ ولیم لین (Edward William Lane) نے قرآن شریف کا انگلش میں ترجمہ کیا اور اس ترجمہ کا نسخہ لندن سے ۱۸۴۳ میں شائع ہوا اس کے دیباچے میں اپنی اصلیت اور تعصب کو ظاہر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ اسلام کو برباد و تباہ اور ذلیل کرنے والی کوئی چیز اگر ہے تو وہ صرف اور صرف عورت کو حقیر درجہ دینا ہے۔

"The fatal point in Islam is the degradation of women"

اس نے مسلم نسواں کو "degradation" لفظ سے تعبیر کیا جس کا معنی (درجہ گرانا) ہے۔ اور یہ سراسر اسلام پر بہتان اور الزام ہے اور ساتھ ساتھ اسلام کے نقطۂ نظر کو بگاڑ کر پیش کیا ہے۔

عورت کا مقام اسلام میں یہ نہیں کہ وہ مرد سے کم ہے بلکہ عورت مرد سے مختلف ہے۔ میں آپ کو ایک مثال کے طور پر بتاتا چلوں کے ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے آنکھ تمھارے جسم کا نازک صنف ہے تم اپنی آنکھ کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کر سکتے جو ناخن کے ساتھ کرتے ہو۔ ڈاکٹر کے اس ہدایت سے یہ مطلب نہیں کہ آنکھ کو ناخن کے مقابلے میں کم درجہ دے رہا ہے بلکہ وہ ناخن کے مقابلے میں آنکھ کے فرق کو بتا رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عورت اور مرد دونوں الگ الگ صنفیں ہیں لیکن تخلیقی اعتبار سے دونوں کے اندر قطعی فرق و امتیاز پائے جاتے ہیں اور یہی تمام آسمانی کتابیں بھی کہہ رہیں ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے اس ماڈرن زمانے میں عورت اور مرد میں کوئی تمیز نہیں رہی دونوں ہر افعال و اقوال میں برابر اور یکساں جس سے مرد اور عورت کا گھل مل جانا اور لمس و تقبیل، زنا اور حرام کاری کا عام ہونا پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو ہوا دینے کے لیے یوروپ جیسے خبیث قوم نے اٹھارہویں صدی میں۔

(دور جدید میں آزادی نسواں کی تحریک)

ریسرچ اسکالر: دارالہدی اسلامک یونیورسٹی کیرالا gulamsarwar361@gmail.com

"Women liberation movement"

کے نام سے تحریک چلائی جو یوروپ سے دھیرے دھیرے امریکہ میں پہونچی اور پھر پورے اکناف عالم میں۔

اسی طرح میری ولسٹن کرافٹ(Mary Wolstone Craft)نے بھی ایک کتاب چھاپی جس کا نام" A vindication of the right of women" رکھا جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا Women should revive the same treatment as men in education, work opportunities and politics and that the same moral standards should be applied to both sex(x/ 733) جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ تعلیم‘روزگار اور سیاست کے میدان میں عورت کو وہی مواقع ملنے چاہیے جو مردوں کو حاصل ہیں‘ ایک ہی اخلاقی معیار ہونی چاہیے جو دونوں صنفوں پر منطبق ہو۔

اگر اس بات پر عمل کریں گے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو جھٹلانا پایا جائے گا:

قال رسولنا محمد صلى الله عليه و سلم لن تفلح قوم ولوا امرهم امراة .

اس قوم کے لیے بربادی ہے جس کا قائد عورت ہو۔

اس بات کو عام کرنے کے لیے صرف مرد کے ہی ہاتھ نہیں ہیں بلکہ عورتوں نے بھی امڈتے ہوئے سیلاب کی طرح حصہ لیا تھا حتی کہ مرد اور عورت کے درمیان نابرابری کی بات کرنا پسماندگی کی علامت قرار پانے لگا تھا۔اور یہ مشن بیسوی صدی کے آغاز تک اکناف عالم میں پھیل گئی اور اقسام وانواع کے قوانین نافذ ہوئے اور ہر شعبے مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی کھلنے لگے۔مگر نتیجہ یہ نکلا کہ نقصان عورت کو ہی ہوا کہ وہ گھر سے باہر آگئی‘مردوں کے ساتھ چلنے لگی‘اور اپنی نسوانیت کھودی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام سچا دین و مذہب ہے اور اس کے ہر قوانین صداقت پر مبنی ہیں جیسے کہ ہم اسی تحریک سے معلوم کر سکتے ہیں چند سال بعد اسی تحریک نے تحقیق کیا کہ سائنس کے مطابق عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی فرق ہے اور یہی اصل سبب ہے جس کی وجہ سے عورت مرد کے برابر نہیں ہو سکتی

الرجال قوامون على النساء۔

مرد افسر ہیں عورتوں پر(کنز الایمان)

آج بھی غیر مسلم اسلام کو برباد کرنے کی حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ اس صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پوری پوری طاقت اور زور لگا رہے ہیں لیکن اس دین کو کون مٹا سکتا ہے جس کا محافظ خود خدائے لاشریک ہو۔

يريدون ان يطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون.

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ نہ مانیگا مگر اپنے نور کا پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر(کنز الایمان)

نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

جیسا کہ مسٹر ایس ایم جوشی نے اپنی انٹرویو میں کہا:

The Shariat of Muslims and the Manusmruti of Hindus- followed by both the communities for centuries- were equally and socially reactionary(ٹائمس آف انڈیا ۱۶ اپریل ۱۹۸۶)

مسلمانوں کی شریعت اور ہندوؤں کی منوسمرتی جس کے دونوں فرقے صدیوں سے اختیار کئے ہوئے ہیں یکساں طور پر اور سماجی طور پر رجعت پسند ہے۔

اس سے معلوم چلا کہ آج بھی لوگ اسلام جیسے پاک مذہب کو بدنام اور ناپاک کر رہے ہیں اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ انہوں نے خالص علمی تحقیق پر اکتفا کیا نہ کہ فکری انقلاب پر۔اور دنیا کا اصول رہا ہے کہ کوئی نقطۂ نظر کتنی ہی مدلل ہو وہ اس وقت تک عموم قبولیت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کو فکری انقلاب کا درجہ نہ دیا جائے۔جیسے کے زمانۂ ماضیہ میں جتنے بھی انبیا تشریف لائے سبھوں نے توحید کو دلائل کے ذریعہ ثابت کیا لیکن شرک کا خاتمہ نہ ہوا بلکہ توحید کو عمومی غلبہ حاصل ہوا اور دوسرا کام اس وقت جب پیارے محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اللہ کی خصوصی مدد کے ذریعہ توحید کی حقانیت کو فکری انقلاب کے درجہ تک پہنچادیا۔

چند امثال احادیث نبوی ﷺ کے ذریعہ آپ کو بتادوں کہ اسلام نے عورت کو کس نقطۂ نظر سے دیکھا اور کیا مقام دیا ہے:

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله من احق الناس بحسن الصحبة قال امك قال ثم من قال

امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك .
(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے حبیب آپ فرمادیجئے کہ لوگوں مین سب سے زیادہ میری صحبت کا حق کس کو ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمھاری ماں پھر پوچھا اس کے بعد فرمایا تمھاری ماں پھر پوچھا اس کے بعد فرمایا تمھاری ماں پھر پوچھا اس کے بعد فرمایا تمھارا باپ۔)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم چلتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو مردوں سے کہیں زیادہ عزت واحترام کا مقام دیا ہے

اور دوسری حدیث شریف عورتوں کے اعلی درجہ کی طرف اشارہ کررہی ہے:

لعن رسول الله صلی الله علیه و سلم المتشبهین من الرجال بالنساء و المتشابهات بالرجال.

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کے مشابہ بنیں۔

ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے نہ ہی کسی مرد کو عورت بننے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی عورت کو مرد بننے کی ضرورت ہے۔اور تیسری حدیث سے اظہار خیال کی آزادی کا اشارہ ملتا ہے جیسے:

قال عمر رضی الله عنه یدعوا الناس الی الکف عن المبالغة والمعالاة فی المهور فانبرت الیه المراة و قالت لیس هذا لك یا عمر فانه تعالی یقول(و اتیتهم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا) فقال عمر اصابت امراة و اخطا عمر .

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کو مہر میں زیادتی کرنے سے منع فرمائے۔اتنے میں ایک عورت رائے پیش کرتے ہوئے بولی کہ اے عمر یہ آپ کا حق نہیں ہے بلکہ اللہ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ (اور اسے ڈھیرو مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو) تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ عورت سچ کہتی ہے عمر نے خطا کیا۔ تو اس سے معلوم چلا کہ اسلام نے عورتوں کو بھی اپنی رائے پیش کرنے کا حق دیا ہے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ خود کہہ رہے کہ اصابت امراۃ و اخطا عمر عورت سچ کہہ رہی ہے اور عمر سے خطا ہوئی۔اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ کہنے سے روکا بھی نہیں۔☆☆

(ص:۲۹ کا بقیہ)....(۶)رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں نے اپنا ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ (۷)اسلام آوری کے بعد میں نے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا اور اگر اس وقت موجود نہ ہوا تو بعد میں آزاد کیا۔(۸)زمانۂ جاہلیت یا زمانہ اسلام میں کبھی حرام کاری نہیں کی۔(۹)زمانۂ جاہلیت وعہدِ اسلامی میں کبھی چوری نہیں کی۔(۱۰)رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے موافق میں قرآن کریم کو جمع کیا۔(بحوالہ: تاریخ الخلفا)

شہادت: آپ کی خلافت میں چند وجوہ واسباب کی بنیاد پر آپسی اختلاف وخلفشار اور سیاسی انتشار کی آگ اس طرح بھڑک اٹھی کہ وہ سرد ہونے کا نام نہیں لی، یہاں تک کہ اس سیاسی سورش وبغاوت نے پورے طریقے سے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آپ کے خلاف شورش بپا کرنے والے بلوائیوں نے چہار جانب سے آپ کا محاصرہ کرلیا اور پھر موقع پاکر شہادت کی میٹھی نیند سلادیا۔

آپ کی شہادت ۱۸ / ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ کو واقع ہوئی۔ وصیت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز وتکفین کی ذمہ داری بھی انہوں نے ہی سرانجام دی۔

آپ کی شہادت تاریخ اسلام کی ایک ایسی شہادت ثابت ہوئی ،جس کے بعد مسلمانوں کے آپسی اتحاد واتفاق کا جنازہ نکل گیا، فتنوں کا ظہور ہوا یہاں تک جمل اور صفین جیسی جنگیں واقع ہوئیں ،جس میں مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہوگئے،،اسی طرح قصاص عثمان کو لے کر مسلمانوں کے درمیان طویل زمانے تک معرکہ آرائیاں ہوئیں ،اور بصرہ وشام کی زمینیں اپنوں ہی کے خون سے سرخ ہوئیں۔ شہادت عثمان غنی یہ تاریخ کی ایک ایسی دردخیز، دل سوز اور المناک داستان ہے ،جسے سن کر، پڑھ کر اور جان کر جسم کانپ اٹھتا ہے ،دل لرزنے لگتا ہے ،آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ابن ابو حذیفہ کا بیان ہے کہ ”اولین فتنہ حضرت عثمان کی شہادت ہے اور آخری فتنہ دجال کا ظہور ہوگا“۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام اور مسلمانوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور آپ کے دور کے اہم واقعات سے تاریخ کے صفحات واوراق بھرے پڑے ہیں جن میں آپ کی زندگی کے ابتدائی حالات سے لے کر شہادت تک کے تمام واقعات واسباب موجود ہیں۔☆☆☆☆

نومسلم ہادیہ کے جذبۂ ایمانی کو سلام

از: سہیل انجم

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ ایک روز ان کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر دینے کی ٹھان لی۔ ننگی تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستے میں نعیم نامی ایک شخص سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کیا بات ہے، بہت غصے میں ہو کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پورے مکہ کو خلفشار میں ڈال رکھا ہے، میں آج ان کو قتل کر کے اس قصے کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ نعیم نے کہا کہ وہاں جانے سے پہلے ذرا اپنی بہن کے گھر چلے جاؤ۔ انھوں نے پوچھا کیا ہوا۔ بتایا گیا کہ تمھارے بہن بہنوئی بھی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ پھر کیا تھا وہ وہی ننگی تلوار لیے اپنی بہن کے گھر جا پہنچے۔ اس وقت تک اسلام کی تبلیغ مشرکین مکہ کے خوف کی وجہ سے علی الاعلان نہیں ہو پا رہی تھی۔ حضرت عمر بہن کے گھر پہنچے تو انھیں کچھ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ ان کی بہن اور بہنوئی قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ بہن نے بھائی کو ننگی تلوار کے ساتھ انتہائی غصے کے عالم میں دیکھا تو قرآن کے اوراق چھپا دیے۔ بھائی نے پوچھا کیا پڑھ رہی تھی۔ انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ بھائی کو اور غصہ آیا۔ انھوں نے بہن اور بہنوئی کو پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ مار مار کر تھک جانے کے بعد حضرت عمر نے پھر بہن سے پوچھا اور جب انھیں معلوم ہو گیا کہ بہن اسلام لا چکی ہے تو انھوں نے اسلام سے پھرنے کے لیے بہت زور ڈالا۔ اس پر ان کی بہن نے بڑی جرأت و بیباکی کے ساتھ کہا کہ بھائی تم مجھے مار ڈالو، میری بوٹیاں کتوں سے نچوا لو، میں اسلام سے پھر نہیں سکتی۔

شاہ نامہ اسلام کے شاعر حفیظ جالندھری کی زبان میں:

بہن بولی عمر! ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوا لے
مگر ہم اپنے دین حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے
بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے

کیرالہ کی نومسلم دوشیزہ ہادیہ کی جرأت و ہمت، اس کی ایمانی غیرت، اللہ پر بھروسہ اور اپنے ایمان پر استقلال کو دیکھ کر مجھے بار بار یہ واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ہادیہ نے جس کا سابق نام اکھیلا اشوکن ہے، اسلام کیا قبول کیا کہ اسلام دشمن حلقوں میں زلزلہ آ گیا۔ اس کے قبول اسلام کو ایک بے بنیاد اصطلاح لو جہاد کا نام دے دیا گیا اور اس کو پھر سے اپنے سابقہ مذہب میں واپس چلے جانے کا دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ کیرالہ ہائی کورٹ نے شافعین جہاں سے اس کی شادی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اس کو اس کے والدین کی تحویل بلکہ نظر بندی میں دے دیا گیا۔ سپریم کورٹ نے اس معاملے کی جانچ کرنے کی ذمہ داری این آئی اے کو دے دی تاکہ وہ پتا لگائے کہ یہ لو جہاد کا کیس تو نہیں۔ وہ گیارہ ماہ سے والدین کے قبضے میں تھی۔ اب سپریم کورٹ نے اس کو تھوڑی سی راحت دی ہے۔ اسے جب کیرالہ سے دہلی لایا گیا اور سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا تو ۲۶ سالہ ہادیہ کی ایمانی غیرت دیکھنے کے لائق تھی۔ وہ ایک کمزور و ناتواں لڑکی جسے غالباً پہلی بار دہلی آنے کا موقع ملا اور وہ بھی پولیس دستے کے جلو میں۔ اسے ملک کی سب سے بڑی عدالت کے چیف جسٹس کی کورٹ میں پیش کیا گیا۔ لیکن قابل مبارکباد ہے ہادیہ جس کے ایمان میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی اور اس نے بھری عدالت میں علی الاعلان اپنے ایمان کو بیان کیا اور بتایا کہ اسے اسلام قبول کرنے کے لیے کسی نے دباؤ نہیں ڈالا۔ اس نے مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کیا ہے اور وہ اب اسی مذہب پر قائم رہے گی۔ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے اولین دنوں میں مشرف بہ اسلام ہونے والوں پر کفار جو مظالم ڈھاتے تھے، ہادیہ کے ساتھ اس سے کم ظلم نہیں ہوا ہے۔ دائیں بازو کی جماعتیں اس کے خلاف تیغ برہنہ بنی ہوئی ہیں۔ اس کے والدین نے ان گیارہ مہینوں میں اس پر جانے کیسی کیسی زیادتی کی۔ لیکن چونکہ اس ملک میں آئین و قانون کی بھی حکمرانی ہے اس لیے ہادیہ اور انصاف پسند طبقات کو یہ امید ہے کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا۔

اس ملک کے قانون نے ہر شہری کو اپنی پسند کے مذہب پر چلنے یا اپنا مذہب بدلنے کی آزادی دی ہے۔ ابھی اُس فیصلے کو زیادہ دن نہیں

ہوئے جو سپریم کورٹ کی ۹ رکنی آئینی بنچ نے سنایا ہے اور جس میں ہندوستان کے ہر شہری کی انفرادی اور نجی آزادی کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ ہادیہ کا معاملہ بھی ذاتی اور نجی آزادی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ آئین و قانون کی بالادستی کا بھی معاملہ ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں اور پتا نہیں کس بنیاد پر کیرالہ ہائی کورٹ نے اس کی شادی کو کالعدم قرار دے دیا۔ جبکہ یہ معاملہ بھی شخصی آزادی سے متعلق ہے۔ اب ہادیہ کو اپنی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرنے کا اختیار دے دیا گیا ہے اور اس کے والدین سے اس کی تحویل کالج کے پرنسپل کو دے دی گئی ہے۔ ہادیہ نے تمل ناڈو کے سلیم میں جہاں وہ ہومیوپیتھی کی ڈاکٹری کی پڑھائی کر رہی تھی، پہنچنے کے بعد سوال کیا کہ میری آزادی کہاں ہے۔ کیا یہی میری آزادی ہے کہ میں اپنی مرضی سے کسی سے بات نہیں کر سکتی۔ اس سے پوچھا گیا کہ وہ کس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے شوہر سے بات کرنا چاہتی ہے۔ بالآخر پرنسپل صاحب نے اپنے موبائیل فون سے اس کے شوہر سے اس کی مختصر بات کرائی۔

سپریم کورٹ کی بینچ نے جب اس سے پوچھا کہ کیا تمھاری تعلیم اور دوسرے اخراجات حکومت کے ذمہ کیے جائیں تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ اس کا شوہر اس کے اخراجات اٹھانے کی پوزیشن میں ہے اور وہ یہی چاہے گی کہ اس کا شوہر اس کی کفالت کرے۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ اسے کس کی حفاظت یا نگرانی میں دیا جائے تو اس نے کہا کہ اس کے شوہر کی۔ اس پر عدالت نے کہا کہ عورت کوئی پراپرٹی نہیں ہوتی کہ اس کا نگراں کسی کو بنایا جائے۔ حالانکہ عدالت نے پرنسپل صاحب کو خود اس کا نگراں بنا دیا۔ گویا عدالت یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کو اس کے شوہر کے پاس بھیجا جائے۔ بہر حال یہ معاملہ پوری دنیا کے میڈیا میں چھایا ہوا ہے اور ہادیہ کو اس کی بیباکی اور جرأت کی داد دی جانی چاہیے۔

جہاں تک ہادیہ کے قبول اسلام کی بات ہے تو بتا دیں کہ وہ کیرالہ کے ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اپنے مسلم دوستوں کے توسط سے اسلام کا مطالعہ کیا، قرآن کو پڑھا، سمجھا اور پھر اس نے قبول اسلام کر لیا۔ اس نے شادی کے لیے ایک اخبار میں اشتہار دیا۔ قبول اسلام کے بعد خلیج میں ملازمت کرنے والے ایک مسلم نوجوان شافعین جہاں سے جو کہ اپنے وطن کیرالہ آیا ہوا تھا، اس کی شادی ہو گئی۔ چونکہ شافعین خلیج میں برسوں سے ملازمت کرتے رہے ہیں اور ان کے اہل خانہ بھی وہیں سکونت پذیر ہیں اس لیے اس معاملے کو داعش سے جوڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس دوران شادی کے بعد کورٹ کچہری کے چکر میں پڑنے کی وجہ سے شافعین کو انڈیا ہی میں رہنا پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی خلیج کی ملازمت بھی ختم ہو گئی۔ لیکن اس نے بھی ہادیہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ ہر حال میں ہادیہ کو اپنے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رکھنا چاہتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اگلے ماہ جب اس معاملے پر سماعت شروع ہوگی تو سپریم کورٹ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آئین و قانون کی بالادستی کو قائم کیا گیا اور اس معاملے پر دائیں بازو کی شدت پسند جماعتوں اور میڈیا میں چل رہی بحثوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا گیا تو امید ہے کہ ہادیہ کو انصاف ملے گا۔ اس وقت ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہادیہ کے ایمانی جذبے کو سلام۔

---*---*---*---

وضاحت

پچھلے ماہ میرا ایک مضمون ”ہندوستان کی چند عظیم چشتی خانقاہیں۔۔۔تعارف و خدمات“ کے نام سے شائع ہوا، جس میں سید سراواں الہ آباد کی ”خانقاہ عارفیہ“ کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ سب سے پہلے تو ہم اپنے قارئین کو یہ بتا دیں کہ مذکورہ مضمون میں نے اس وقت تحریر کیا تھا جبکہ میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی میں زیر تعلیم تھا، یہ سنہ ۲۰۱۴ء کی بات ہے، اور اسی وقت مختلف رسائل و جرائد میں اسے ارسال کیا گیا تھا، ماہنامہ اشرفیہ کے نام بھی چار سال پہلے ہی ارسال کیا تھا، جو گزشتہ ماہ شائع ہوا ہے۔ خیر خانقاہ عارفیہ کے حالات اس وقت کچھ اور تھے اور آج کچھ اور ہیں، معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ خانقاہ عارفیہ اہل سنت کے بعض معتقدات اور معمولات سے متفق نہیں ہے، اور مسلک اہل سنت کو لے کر اس خانقاہ کا رویہ غیر محتاط اور قابل اعتراض ہے۔ لہٰذا ہم یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس خانقاہ کی کسی قسم کی حمایت یا اس کی خدمات کے اعتراف سے ہم برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ سواد اعظم اہل سنت کے عقائد و معمولات ہی نجات کا واحد راستہ ہیں، ان سے یک سر مو انحراف صراط مستقیم سے انحراف ہے۔ قارئین کرام مضمون سے پیدا شدہ شکوک و شبہات کی اصلاح فرمالیں۔

عابد چشتی ثقافی

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

رمضان المبارک کی اخلاقی اور روحانی قدریں

فکر و نظر

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔از: مبارک حسین مصباحی

مئی ۲۰۱۸ء کا عنوان	ملفوظاتِ صوفیہ: ایک گراں قدر علمی اور ادبی سرمایہ
جون ۲۰۱۸ء کا عنوان	وراثت میں لڑکیوں کا حصہ: ایک مثبت جائزہ

روزہ کے مقاصد اور حکمتیں

از: حافظ محمد ہاشم قادری، hhmhashim786@gmail.co

رمضان المبارک کا روزہ رکھنا فرض ہے ۔اسلام کے بنیادی فرائض میں سے روزہ تیسرا فرض ہے۔ جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔ عبادات کا پابند شخص اللہ کو بھی محبوب ہے اور انسانوں میں بھی اس کی قدر و منزلت ہے، عبادت انسان کو اعلیٰ اخلاق و کردار کا حامل بناتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جتنے بھی فرائض نافذ کیے ہیں ان کا مقصد انسان کی روحانی بالیدگی اور اپنی طرف راغب کرنا ہے۔ساتھ ہی مہربان رب نے دنیاوی واخروی بے شمار فوائد بھی ان اعمال میں رکھے ہیں۔ مثلاً نماز میں وقت کی باقاعدگی اور جسمانی فٹنس (Fitness) کا ایک غیر ارادی فائدہ رکھا ہے، زکوٰۃ وصدقات میں معاشرے کے نادار افراد کی مدد کا فائدہ۔اسی طرح روزہ جس کا اصل مقصد از روئے قرآن تقویٰ کا حصول ہے اس کے ساتھ روزہ کے جسمانی فوائد بھی بہت سارے ہیں۔

روزہ رکھنے سے اچھی صحت اور روحانی سکون ملتا ہے۔سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ہفتہ میں دو دن کھانے سے پرہیز صحت کے لیے بہت مفید ہے ان کا کہنا ہے کہ قاعدہ سے روزہ رکھا جائے تو انسان کو صحت سے متعلق کئی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں جن میں سب سے پہلا اور زیادہ فائدہ مند زیادہ وزن سے نجات حاصل کرنا شامل ہے جو بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔سائنس دان مائیکل موسلی(Michael Mosley) کا کہنا ہے کہ زیادہ نہیں بلکہ بہتر غذا کھانے سے عمر درازی ہوتی ہے ۔یہ بات کم از کم جانوروں کے بارے میں تو سچ ثابت ہے اس کا تجربہ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں کیا جاچکا ہے۔ لیکن انسانوں کے زیادہ کھانے اور بہتر غذا کھانے سے وزن بڑھتا ہے جو بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنا بہت زیادہ مفید ہے۔ لیکن مائیکل موسلی نے یہ لکھا ہے ایک ہفتہ میں دو روزہ رکھنا زیادہ فائدے مند اور بہتر ہے۔

روزہ تربیت نفس کا بہترین ذریعہ: کلامِ الٰہی قرآن مجید انسانوں کو نہ صرف سیدھا راستہ دکھاتا اور بتاتا ہے بلکہ اس راستے پر چلانے اور منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے رہنمائی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ بہت ہی اچھوتے انداز میں یہ بات ذہن نشین کرائی جارہی ہے۔

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا.

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی، پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ یقینا فلاح پا گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقینا نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔ (القرآن ۹۱، آیت ۷ تا ۱۰)

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ اچھی اور بری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ بھی مفہوم بتایا گیا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں، اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔

تزکیہ نفس کے بارے میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے۔ شداد بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دانا (عقل مند) اور زیرک (بہادر) شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کیے ہوئے ہو اور مابعد موت کے لیے عمل کرے اور عاجز و درماندہ شخص وہ ہے جو اپنی خواہشاتِ نفس کا غلام ہو اور خدا سے (اجر و ثواب اور مغفرت کی) آرزو رکھتا ہو۔

روزہ کا مطلب شرعی یہ ہے کہ ایک مسلمان طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جائز جنسی خواہش کو پورا کرنے سے رک جائے۔ اللہ چاہتا ہے روزہ دار ایک محدود وقت (Limited Time) تک کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے سے رک کر فرشتوں کی مشابہت کرے اور اپنے اندر فرماں برداری اور تقویٰ (خوف خدا) پیدا کرے۔ روزہ قربت الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی ذریعہ سے اللہ نے رسولوں کو انعامات اور کلام سے بھی نوازا ہے۔ چنانچہ احادیث کریمہ میں موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تورات شریف لینے جاتے ہیں تو چالیس دن اور رات اپنے کو بھوکا پیاسا رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چالیس شب و روز روزے سے رہتے ہیں تب انھیں انجیل عطا کی جاتی ہے۔ یہی معاملہ حضور نبی کریم، خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کا ہے۔ آپ مسلسل ایک ماہ تک انسانی علائق و ہجوم سے دور رہ کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں کہ روح الامین حضرت جبرئیل امین ایک رات کتاب ہدایت لے کر حاضر ہوئے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ۔

یہ قرآن کلامِ الٰہی لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔

یہی وہ مبارک رات ہے جس کو ہم شب قدر کے نام سے جانتے ہیں اور یہ رات اتنی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآنی الفاظ میں ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھی قرآن نازل ہوا۔ انسانوں کی ہدایت بھی کلام الٰہی کا مقصد ہے۔ روزے کی اس تربیت کا مقصد یہ نہیں کہ صرف کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے سے رک جانا ہے بلکہ اپنی پوری زندگی میں اطاعت خداوندی و فرماں برداری کی کیفیت اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ اگر یہ کیفیت نہیں پیدا ہوتی ہے تو بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ روزہ، روزہ نہیں بلکہ بھوک و پیاس برداشت کرنا ہے اور اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ اللہ پاک کو ایسے بھوکے پیاسے کی ضرورت نہیں۔ اگر روزوں سے انسان کی عملی زندگی میں بدلاؤ نہیں آتا، اللہ کا خوف اور اطاعت الٰہی کی طرف عملی قدم نہیں بڑھاتا تو ایسے روزے دار نام نہاد روزہ رکھ رہے ہیں، اللہ کو ایسے روزوں کی ضرورت نہیں۔ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من لم یدع قول الزورِ والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه.

(بخاری شریف، باب کتاب الصوم، حدیث ۱۹۰۳)

ترجمہ: جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہے۔

روزہ کے مقاصد اور حکمتیں: قرآن مجید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روزے کے تین بنیادی مقاصد ہیں۔

(۱) تقویٰ یعنی خوفِ خدا رکھنا (۲) اللہ کی ہدایت پر اس کی عظمت کا اظہار (۳) اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا۔

ارشاد ربانی ہے: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیا کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (القرآن ۲، آیت ۱۸۵)

تمام حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے چھوڑ دیں تو اب جو حرام ہیں ان کو بھی ترک کر دو اور سال کے باقی گیارہ مہینے بھی اللہ سے ڈر کے رہو اور روزہ کے دنوں کی طرح پوری زندگی گزارو۔ روزہ کے دوسرے مقصد کا ذکر قرآن کریم میں یہ بیان کیا گیا ہے: قرآن پاک کو رمضان سے اور رمضان المبارک کو قرآن سے ایک خصوصی مناسبت اور گہرا تعلق ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں انسانی ہدایت کے لیے قرآن کا نزول ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: رمضان کا مہینہ وہ ہے

جس میں قرآن اترا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اس میں فیصلہ کی روشن باتیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ رمضان میں تلاوت کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رمضان کی ہر رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے۔ روزہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر اپنی خطاؤں سے معافی طلب کرے، خوف خدا اس کے دل میں بس جائے۔ ماہِ رمضان قبولیت دعا کا حسین وقت ہے۔ اس ماہ میں دعاؤں کی کثرت کیجیے۔ پیارے آقا نے ارشاد فرمایا: کہ "خدا رمضان میں عرش اٹھانے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی عبادتیں چھوڑ دو اور روزہ رکھنے والوں کی دعاؤں پر آمین کہو۔" کتنی بڑی نعمت کا اعلان اس حدیث پاک سے معلوم ہوا۔ قرآن پاک میں بھی ارشاد ہے۔ خدا کی رحمت بہت وسیع ہے کسی کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں بندہ جب اللہ کی بارگاہ میں شرمسار ہو کر گڑگڑاتا ہے تو مولائے رحیم اسے اپنے دامنِ عفو میں چھپالیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَّدُودٌ. (القرآن، سورہ ہود، آیت ۹)

ترجمہ: اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو اور اس کی طرف پلٹ جاؤ۔ یقیناً میرا رب بڑا ہی رحم فرمانے والا اور محبت فرمانے والا ہے۔

روزہ کی اصل روح: روزے کے شرعی مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ انسان کو بھوک اور پیاس کی حالت میں رکھ کر اسے صبر و تحمل کا عادی بنایا جائے۔ کوئی آپ کی تحقیر و تذلیل کرے تو آپ صبر و تحمل سے کام لے کر نظر انداز کر دیجیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "تم میں سے جب کوئی روزے سے ہو تو اپنی زبان سے بے شرمی کی بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے اور اگر کوئی اسے گالم گلوج کرے یا لڑنے پر آمادہ ہو تو اس روزہ دار کو سوچنا چاہیے کہ میں تو روزہ دار ہوں، میں کیسے گالم گلوج اور لڑائی کر سکتا ہوں۔" (بخاری شریف)

روزہ رکھ کر اپنے اندر اخلاق و کردار کی تعمیر کرے۔ آدمی وہ کام کرے جس سے اخلاق سدھریں، جذبات و خواہشات قابو میں رکھے، خوف خدا کے ساتھ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرے جو اصل روزے کی روح ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ "روزہ رکھنا، کھانا پینا چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ روزہ تو ہے کہ روزہ دار لغو اور برے کاموں سے بھی اجتناب کرے۔" (السنن الکبریٰ البیہقی ج۴، ص: ۲۷۰)

تقویٰ پر عمل کی قبولیت کا مدار ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ.

ترجمہ: اللہ متقیوں کا ہی عمل قبول فرماتا ہے۔

(القرآن، سورہ المائدہ، آیت ۲۷)

تقویٰ بہت ہی اونچی اور اعلیٰ صفت ہے۔ بلکہ تمام خوبیوں کی روح تقویٰ ہے۔ جس کو یہ اعلیٰ ترین صفت میسر ہے اس کے لیے دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ. (القلم آیت ۳۴)

ترجمہ: بے شک متقیوں کے لیے ان کے رب کے یہاں نعمتوں سے لبریز جنتیں ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ان سے دنیا میں بھی آسمان و زمین کی برکتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

ترجمہ: اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ضرور ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تقویٰ کا حکم فرمایا اور اس امت سے پہلے لوگوں کو بھی تاکید فرمائی۔ ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ.

یقیناً جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی انھیں اور تم کو ہم نے تاکید فرمادی ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ.

یقیناً اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ.

یقیناً اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

اللہ نے تقویٰ کا کثیر آیات مبارکہ میں ذکر فرمایا ہے، جو اس کی فضیلت و شرف کی دلیل ہے۔ اس دنیا اور آخرت میں فضیلت و کامیابی کا معیار تقویٰ کو بنایا، کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی ملک کا باشندہ ہونا اور

خوبصورت ہونا ان چیزوں کو اسلام نے وجہ افتخار نہیں قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: واتقوا اللہ حق تقاتہ۔ اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور اس سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے، نافرمانی سے بچا جائے، اس کا ذکر کیا جائے، اس کو بھلایا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے۔ یہی بنیادی مقصد روزوں کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوف رکھے اور اسی خوف کی بنیاد پر تمام دنیاوی معمولات وعبادات پر عمل پیرا ہو۔

زبان، آنکھ، کان کا روزہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ

ترجمہ: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو لکھنے کے لیے۔ (القرآن، سورہ ق، آیت ۱۷)

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں۔ ایک دائیں ایک بائیں۔ دایاں نیکیاں لکھتا ہے بایاں گناہ۔ حدیث پاک میں ہے یہ فرشتے بیمار کا کراہنا بھی لکھتے ہیں۔ نیکی والا فرشتہ ایک کی دس لکھتا ہے۔ برائی والا ایک کی ایک ہی لکھتا ہے۔ اگر بندہ توبہ استغفار کرے تو محو (مٹا دیتا) کر دیتا ہے۔ روزے میں ہر برائی اور ہر مصیبت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ روزے کا مقصد ہی زندگی کو پاکیزہ بنانا ہے۔ بد کلامی، فضول گوئی، طنز، لعن طعن، جھوٹ، بہتان، لڑائی جھگڑا، گالی گلوج سے مکمل اجتناب کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی صائم۔ (متفق علیہ)

تم میں جو روزہ دار ہو وہ نہ بدکلامی کرے نہ فضول گوئی اور شور شرابہ۔ اگر کوئی اس کو گالی دے یا لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو وہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ روزہ رکھ کر بھی انسان برائیوں سے نہ بچ سکے تو ایسے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا آدمی کو کچھ حاصل نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”روزہ دار صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں ہے جب تک کہ وہ کسی کی غیبت نہ کرے اور جب وہ کسی کی غیبت کرنے بیٹھتا ہے تو اس کے روزے میں شگاف پڑ جاتا ہے۔“ زبان صرف اور صرف نیک و جائز باتوں کے لیے ہی حرکت میں آئے۔ تلاوت قرآن کریں، درود شریف کثرت سے پڑھیں، نعتیں پڑھیں، دین کی باتیں کریں، جھوٹ، غیبت، چغلی، فضول باتیں ہر گز نہ کریں۔ زیادہ باتیں کرنے والا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اللہ کے نزدیک تین شخص ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ (۱) زیادہ باتیں کرنے والا (۲) زیادہ مال خرچ کرنے والا یعنی فضول خرچ (۳) زیادہ سوال کرنے والا۔ اللہ ان باتوں سے بچائے آمین! حاصل کلام یہ کہ ماہ رمضان تزکیہ نفس وتربیت کا مہینہ ہے خاص کر اس کا آخری عشرہ جس میں ایک طاق رات شب قدر ایسی ہے جو قرآن پاک کے نزول کی رات ہے۔ جو لوگ اس مہینے اور قدر کی اس رات کی برکتوں سے مستفیض نہ ہو پائیں ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہو تو قرآن کے الفاظ میں وہ جانوروں کے مثل ہیں۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔

ترجمہ: وہ تو چوپائے جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ اللہ کا فضل جس پر جس قدر ہوتا ہے وہ اتنا ہی اس ماہ کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

وہ لوگ قابلِ مبارکباد ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے اس ماہ کے حقوق کماحقہ ادا کیے اور اللہ کے وعدہ رحمت و مغفرت کے مستحق ہوئے۔ اللہ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضیات (صراط مستقیم) پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ☆☆☆☆☆

ماہِ رمضان المبارک: ایک تربیتی مہینہ

از: مفتی محمد منظر مصطفیٰ نازؔ صدیقی اشرفی، خطیب جامع البیت المکرم مسجد، بوناکے، ماریشس، افریقہ

ابتدائے آفرینش سے اب تک چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی اسلام کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کر کے دولت ایمان سے مالا مال ہوتا ہے تو وہ احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ لیکن یہ راہ اتنی آسان نہیں بلکہ اس راستے میں اس

بندے کے سامنے قدم قدم پر رکاوٹیں آتی رہتی ہیں اور اس کا ازلی دشمن شیطان اسے خواہشات نفسانی کی جانب ترغیب دینے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ایسے حالات میں قوانین اسلام پر مکمل طور پر گامزن ہونے اور بارگاہ خداوندی ایک کامل و مخلص مومن بننے کے لیے تربیت ضروری ہے۔

یوں تو سال بھر تربیت کی درس گاہیں کھلی رہتی ہیں اور اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں لیکن ماہ رمضان المبارک کا خاص طور پر اس عظیم مقصد کے لیے انتخاب کیا گیا ہے۔اور یہ بات بالکل واضح اور حقیقت پر مبنی ہے کہ اگر روزے، تراویح اور سحری وافطاری کے اصل مقاصد کو سمجھا جائے اور رسمی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا جائے تو یہ ماہ مبارک انسان کو دنیائے انسانیت کے لیے مشعل راہ بنا دیتا ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں جہاں روزہ کی فرضیت کا بیان ہوا وہاں اس کا فلسفہ یوں بیان ہوا ہے اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

تقویٰ کا معنیٰ ہر ایسے عمل سے بچنا ہے جو جہنم میں لے جانے کا باعث ہو اور خدا کی نافرمانی کا باعث ہو، روزہ ان کاموں سے دور رکھتا ہے اور یہی بات تقویٰ ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ روزہ تقویٰ کا ذریعہ کیسے بنتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب روزے کی حالت میں سخت بھوک اور شدید پیاس کے باوجود کھانے پینے سے اجتناب کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس کھانے پینے کا سامان موجود ہوتا ہے تو اس اجتناب کی بنیادی وجہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے حکم کی تعمیل کا جذبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ گھر کے کسی کونے میں بھی جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا وہاں بھی کھانے پینے کا تصور بھی نہیں کرتا یہ محض ریاکاری نہیں کہ کسی کو دکھانے کے لیے ایسا کر رہا ہو بلکہ صرف اور صرف اسی ذات کا خوف ہوتا ہے اور اسی کے حکم کی بجاآوری ہوتی ہے جو ہر طرح کا اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

یوں تو روزہ بے شمار فوائد و برکات کا حامل ہے اور یہ فوائد روحانی بھی ہیں جسمانی بھی، اخروی بھی ہیں دنیوی بھی، لیکن روزے کے اہم اور ہمہ جہتی فوائد جو انسان کی تعمیر سیرت میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔اطاعت خداوندی، صبر واستقامت اور غمخواری وغم گساری جیسی ارفع و اعلیٰ صفات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو انسان ان تمام امور سے اجتناب بھی کرتا ہے جن سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔وہ چوری نہیں کرتا، رشوت نہیں لیتا، سود نہیں کھاتا، چغلی، غیبت اور گالی گلوچ جیسے اخلاق بد کا مرتکب نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جس رب کائنات نے مجھے اس حالت میں رزقِ حلال سے رکنے کا حکم دیا ہے اور دن کے وقت روزے کی حالت میں مجھ پر کھانا پینا حرام قرار دیا ہے اسی نے یہ تمام کام بھی مجھ پر حرام کئے ہیں۔اور وجہ یہ بھی ان کی حرمت توقتی نہیں بلکہ ابدی ہے۔

چنانچہ جو لوگ اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھ کر روزہ نہیں رکھتے ان کے بارے میں رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کم من صائم لیس له من صیامه الاالظمأ وکم من قائم لیس له من قیامه الاالسهر.

کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (رات کو عبادت کے لیے) قیام کرنے والے ہیں جن کو سوائے شب بیداری اور تھکاوٹ کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے واضح الفاظ میں بتایا کہ اگر روزے کا اصل مقصد اور فلسفہ یعنی تقوی پیش نظر نہ ہو تو محض بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانا ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

پھر جب تقوی کی برکات ماہ رمضان سے تجاوز کر جاتی ہیں تو بندۂ مومن سال بھر زندگی کے ہر شعبے میں اس تصور کو سامنے رکھتا ہے جو روزے کی حالت کھانے پینے سے اجتناب کی صورت میں سامنے رکھا تھا اور وہ ہر برے ناجائز اور حرام کام سے صرف اور صرف اس لیے بچنے کی کوشش کرتا ہے کہ خوف خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول کی اطاعت کا جذبہ پیش نظر ہوتا ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ ماہ رمضان المبارک تربیت کے سلسلے میں سب سے پہلے روزہ دار کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا خوگر بناتا ہے اور اسے یہ درس دیتا ہے کہ وہ اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب

تک کہ شریعت مطہرہ اس کی خواہش پر غالب نہ آجائے۔اس لیے چاہیے کہ روزے کے ہر ایک تقاضے کو پورا کیا جائے۔اور روزے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے میں صبر واستقامت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھے اور جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو مسلمان کی نجی و انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات تک کامیابی اس کے قدم کو چومے گی۔

انسانی زندگی میں بعض اوقات مشکل مقامات آتے ہیں جن سے صرف وہی شخص گزر سکتا ہے جس میں قوتِ برداشت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہو اس لیے جو لوگ صبر کی دولت سے مالامال ہوتے ہیں وہ نہایت ہمت واستقلال کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں بالخصوص عبادات اور اطاعت خداوندی کے سلسلے میں صبر کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس راستے میں شیطانی جال بچھے ہوتے ہیں اور ان سے بچ نکلنا مشکل ہوتا ہے جب کوئی مسلمان نماز کے لیے سخت سردی میں بستر سے نکلتا ہے تو شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اسے گرم بستر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو شیطان اس کی خواہش کے گھوڑے کو دوڑانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی طرح جب اس سے کوئی نعمت چلی جاتی ہے چاہے وہ انسانی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ تو شیطان اسے راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے اور طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ سے اس کو بدعقیدگی کے دلدل میں دھکیلنا چاہتا ہے۔

ان تمام صورتوں میں صبر ہی ایسا عظیم وصف ہے جو اسے راہ راست پر لا سکتا ہے۔

صبر اسے نرم گداز بستر پہ آرام کی بجائے نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے۔عیش وعشرت کی زندگی اور ناز ونعمت کے ماحول سے صبر ہی اسے حرام طریقوں کی بجائے حلال ذرائع سے رزق تلاش کرنے کی راہ دکھاتا ہے اور حکم خداوندی پر راضی رہتے ہوئے مصائب پر صبر کرنے سے ہی وہ شیطانی وسوسوں سے بچ سکتا ہے اور صبر کی دولت ماہِ رمضان تقسیم کرتا ہے۔نماز، روزہ، تراویح اور سحری جیسے اہم امور بغیر صبر کے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے اور اس صبر کا حصول ماہ رمضان میں خاص طور سے ہوتا ہے۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وھو شھر الصبر یہ صبر کا مہینہ ہے۔(مشکوۃ شریف، ص:۱۷۲)

گویا اس مہینے میں صبر کی تربیت ہوتی ہے۔یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف ماہ رمضان میں صبر کیا جائے اور سال کے باقی مہینوں میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔لہذا تربیت کا دوسرا اہم ذریعہ صبر ہو جو ماہ رمضان کی عظیم سوغات ہے۔اگرچہ اطاعت خداوندی، اتباع رسول ﷺ اور صبر جیسے اوصاف حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں لیکن حقوق اللہ کی ادائیگی کا خوگر بنانے کے لیے اسے سرکار دوعالم ﷺ نے ایک اور نام بھی دیا ہے آپ نے فرمایا ھو شھر المواساۃ،، یہ غمگساری اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اصحاب ثروت لوگ بھوک اور پیاس کی بھٹی سے نہیں گزرتے انہیں بھوک اور پیاس کی شدت اور تکلیف کا احساس نہیں ہو سکتا اس لیے اسلام میں ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزہ فرض کیا گیا اور جب تک ایسی حالت پیدا نہ ہو جس میں روزہ رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ورنہ سب پر روزہ رکھنا لازمی ہے اس کی جگہ فدیہ نہیں دے سکتے اور کوئی مال دار شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس کھانے پینے کا سامان ہے لہذا مجھے روزہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ روزہ فرض کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ بھوک اور پیاس کی شدت سے غربا اور مساکین کی حاجات کو پورا کرنے کا احساس پیدا ہو اور یہ احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک انسان خود ان مراحل سے نہ گزرے۔

ماہ رمضان امیر وغریب کے درمیان سے امتیاز کی دیوار گرا کر معاشرتی اونچ نیچ کو بھی ختم کر دیتا ہے اور یہی اونچ نیچ کا تصور ہے جو معاشرتی ہم آہنگی کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اسی طرح نماز تراویح اور سحری کھانا شب بیداری کی تربیت کا اہم حصہ ہے اور جب انسان تراویح پڑھتا ہے تو نماز عشا اور سحری کے لیے اٹھتا ہے تو فجر کی نماز کا خوگر ہو جاتا ہے اور یہ دونوں نمازیں باجماعت پڑھنا قیام لیل کے قائم مقام ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اگر ماہ رمضان المبارک کے فلسفہ اور مقصد کو پیش نظر رکھا جائے تو انسانی تربیت کا اس سے اہم موقع اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالی اپنے حبیب مکرم ﷺ کے صدقے اس ماہ مبارک کے تربیتی پہلو سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

---*---*---*---

نقد و نظر

کتاب : عدد تین کی حیرت انگیز دنیا
مصنف : مفتی محمد علی قاضی مصباحی
صفحات : ۳۵۵ قیمت : ۲۵۰/روپے
ناشر : رضوی کتاب گھر، دہلی
ملنے کا پتہ: مفتی محمد علی قاضی، سادات کالونی، وشال نگر، ہبلی، کرناٹک
تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی

دنیا کے پراسرار اور ماورائی علوم میں سے ایک "علم الاعداد" بھی ہے، جسے "علم ابجد" بھی کہا جاتا ہے اور اسے "علم جفر" کی ایک شاخ بتایا جاتا ہے۔ علم الاعداد کے ماہرین کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے اس علم کی طرف خوارزمی نے توجہ دی اور اعداد کے خواص و اثرات پر نظر کر کے اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اس کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ خوارزمی کی صراحت کے مطابق علم الاعداد ایک بامقصد اور بامعنی علم ہے۔ دنیاوی امور کی حقیقت و ماہیت اور کائنات کے سربستہ راز جاننے کے لیے اس کا خاطر خواہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہندو، کلدانی، عبرانی، مصری اور یونانی "علم الاعداد" سے بخوبی واقف تھے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اعداد کا بار بار تذکرہ ملتا ہے تاہم یہ لوگ اس علم کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ الفاظ و اعداد، پر اسرار اشیا کا خزانہ ہیں، ان الفاظ و اعداد میں بلا کی تاثیر ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہمارے عاملین اور روحانی اطبا لوگوں کو جو نقوش و تعویذات دیا کرتے ہیں، وہ زیادہ تر اعداد پر ہی مشتمل ہوا کرتے ہیں۔ اس سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علم الاعداد ایک کراماتی علم ہے اور اعداد کے کرشماتی نتائج مبنی بر حقیقت ہیں۔ اعداد کی تعداد ایک سے لے کر ۹/ تک (۱-۹) کل نو ہیں۔ باقی اعداد انھیں نو سے بنتے ہیں۔ ان اعداد تسعہ میں سے ایک "تین کا عدد" بھی ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز تاثیر رکھتا ہے۔

علم الاعداد کے ماہرین کے نزدیک تین کا عدد ایک مقدس عدد ہے اور یہ خوش حالی، فراوانی اور مسرت کی علامت ہے۔

زیر نظر کتاب "عدد تین کی حیرت انگیز دنیا" ایک مفید اور معلومات افزا کتاب ہے، جس میں عدد تین کی حیرت انگیز دنیا بسائی گئی اور اس میں ایمان و عقائد، اعمال و افعال اور تین امور پر مشتمل بہت سارے واقعات و قصص بیان کیے گئے ہیں اور عدد تین کے کرشماتی مناظر دکھائے گئے ہیں۔

مصنف کتاب مفتی محمد علی قاضی مصباحی کے بقول:

میری یہ تصنیف (عدد تین کی حیرت انگیز دنیا) در اصل ان سیکڑوں مذہبی کالمز کا مجموعہ ہے جو گذشتہ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۵ء تک روزنامہ سالار، روزنامہ سیاست اور روزنامہ راشٹریہ سہارا، بنگلور کے مذہبی ایڈیشن میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان اخباروں کے علاوہ یہ مضامین ملک کے کئی نامور دینی و مذہبی ماہ ناموں اور جرائد و رسائل میں بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ میرے لیے یہ فخر و سعادت کی بات ہے کہ ان مضامین کو پڑھ کر کرناٹک کے مختلف گوشوں میں مذہبی و دینی خدمات، امامت و خطابت اور تدریسی و تعلیمی سرگرمیوں سے وابستہ کئی علمائے کرام و ائمۂ مساجد نے یہ بتلایا کہ وہ ان مضامین سے استفادہ کرتے ہوئے انھیں جمعہ کے دن اپنے خطاب کا موضوع بناتے ہیں۔ (عدد تین کی حیرت انگیز دنیا، ص:۶)

یہ فکر انگیز، دل چسپ اور معلوماتی کتاب یقیناً اس لائق ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے اور خطبۂ جمعہ یا عام مذہبی محفلوں میں اس کے مندرجات سے عوام کو آگاہ کیا جائے، کیوں کہ عدد تین کی اس حیرت انگیز دنیا میں عوام و خواص کی صلاح و فلاح کے بہت سارے مواد موجود ہیں۔

عدد تین سے متعلق کتاب کے چند اہم مندرجات یہ ہیں:

(۱) توحید و شرک کے تین اقسام (۲) بارگاہِ رسول ﷺ کے تین آداب (۳) تین آیات حفظ و امان (۴) تین آیاتِ تقویٰ (۵) تین آیات اور تین احادیث پر عمل (۶) تین اچھے اوصاف نہ اپنانے پر وعیدِ الٰہی (۷) حج کے تین مسائل و افعال (۸) تین عمل قیامت میں عزت بخشیں گے (۹) قبولیت دعا کے تین اسباب (۱۰) تین اوصافِ حسنہ (۱۰) تین عظیم ہستیاں (۱۱) تین باتیں اولاد کو سکھاؤ (۱۲) تین بڑے کافر (۱۳) تین مرتد قبائل (۱۴) ایمان، تقویٰ اور ولایت کے تین درجے

(۱۵) حضور ﷺ کی تین پسندیدہ چیزیں (۱۶) دینِ اسلام کی تین بنیادی خصوصیات (۱۷) تین مبارک نصیحتیں (۱۸) تین اقسامِ علوم (۱۹) تین قسم کی عبادات (۲۰) امتِ محمدیہ کی تین اہم خصوصیات۔

غرض کہ عدد تین سے متعلق تقریباً ۱۲۵ر عنوانات کے تحت بڑی اہم اور قابلِ قدر باتیں کتاب میں بیان کیے گئے ہیں، جنھیں پڑھنے کے بعد قارئین کے علم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ان کے ایمان وعمل میں نکھار بھی پیدا ہوتا ہے۔

مذہب اسلام کی تین بنیادی خصوصیات اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے متعلق جو تین آداب بیان کی گئی ہیں، وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چناں چہ مصنف رقم طراز ہیں:

دینِ اسلام تین انفرادی خصوصیات، جامعیت، عالمیت اور دوامیت کا حامل ہے۔ اسلام کا منشور یہ ہے کہ اسلام جملہ شعبۂ حیات کو محیط ہے، نہ یہ صرف مادہ پرستی کی بات کرتا ہے اور نہ ہی مشاغل و مسائلِ حیات سے کنارہ کش ہو جانے کا وعظ سناتا ہے۔ اسلام میں آخرت، اگر اصل زندگی ہے تو دوسری طرف ولا تنس نصیبك من الدنیا کی ہدایت بھی موجود ہے... پیغمبرِ اسلام، معلمِ انسانیت نبیِ رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ہمیں انسانی زندگی کے کامل ترین اور پختہ مظاہر و آثار ملتے ہیں۔ غارِ حرا کے پر نور تجریدی لمحات، وہاں کی طاقت ور روحانی وعرفانی خلوتیں، حرمِ کعبہ میں کیے گئے رقت انگیز اور پر اثر سجدے، شہرِ مکہ کے گلی کوچوں میں کمزوروں، ضعیفوں، ناداروں اور بے سہاروں کی اعانت و امداد اور ملکِ شام کی طرف تجارتی سفر، اسوۂ رسولِ اعظم کا یہ وہ حسین تنوع ہے جس میں حق و صداقت اور نور وہدایت کے متلاشیوں کو سب کچھ ملے گا.....

اسلام کی دوسری خصوصیت، اس کی عالمیت (عالم گیریت) ہے، اسلام کسی علاقے یا خطے کا دین نہیں، یہ آفاقی اور عالمی دین ہے، اس کے مزاج میں ہمہ گیریت کا عنصر ہے.....

اسلام کی تیسری اور آخری خصوصیت دوامیت ہے اور وہ یہ کہ اس کے نظام قانون میں ہر زمانے کے جدید تقاضوں اور انسانی حیات کے ہر دور میں رونما ہونے والے مسائل و مشکلات، حالات و حوادث اور واقعات و مطالبات سے ہم آہنگی کی پوری صلاحیت و وسعت ہے۔ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے، اسلام کی تعلیمات ہر زمانے میں اتنی ہی کارگر اور موثر ثابت ہوتی رہیں گی جتنی وہ روزِ اول میں تھیں۔ (عدد تین کی حیرت انگیز دنیا، ص:۳۳۸)

"بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضری کے تین آداب" کے حوالے سے مؤلفِ کتاب رقم طراز ہیں:

نماز اور تلاوتِ کلامِ الٰہی کے ذریعہ مسلمان بارگاہِ رب العالمین میں قرب و حضوری حاصل کر لیتا ہے، بارگاہِ احکم الحاکمین میں حاضری کے آداب (طہارت و پاکیزگی) بجا لانا از حد ناگزیر ہے۔ ٹھیک اسی طرح بارگاہ رحمۃ للعالمین میں حاضر ہونے سے قبل بھی ایک امتی اور عاشقِ نبی ﷺ کو سورۂ حجرات کی ان حسب ذیل آیاتِ قرآنی میں بیان کردہ تین آداب بارگاہ نبوی پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۱) اے ایمان والو! رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو (۳) اے ایمان والو! رسول اللہ ﷺ کے حضور چلا چلا کر باتیں نہ کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔

غرض کہ عدد تین سے متعلق بڑے حیرت انگیز واقعات و حکایات، لطائف و نکات اور قیمتی معلومات سے یہ کتاب لبریز ہے۔ مصنف نے بڑی محنت وجاں فشانی کے ساتھ ان بکھرے موتیوں کو یکجا کر کے ایک ہار میں پرو دیا ہے۔ ہر بات دلائل کی روشنی میں پیش کی گئی ہے، تاکہ مصنف پر کوئی ہوائی فائرنگ کا الزام نہ لگا سکے۔

مصنف کتاب مولانا مفتی محمد علی قاضی مصباحی ایک جید عالم دین، باشعور مفتی و قاضی، کامیاب مصنف و مؤلف، مایۂ ناز استاذ اور قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے ہر وقت کوشاں رہنے والے ایک بے لوث خادم اور مصلح ہیں۔ ایک زمانہ سے صوبۂ کرناٹک میں دین و دانش کی قندیلیں روشن کیے ہوئے ہیں۔ درس و تدریس، امامت و خطابت اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ آپ کا قلم بھی مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے فکر انگیز قلم سے اب تک وجود میں آچکی ہیں:

(۱) مسلمانانِ ہند کی موجودہ صورتِ حال کا علاج (۲) امریکہ میں انکارِ حدیث کا فتنہ (۳) قائدینِ اہلِ سنت سے التماس (۴) قرآن کے متعلق انوکھی معلومات (۵) عربی خطبات برائے جمعہ (۶) عدد سات کی حیرت انگیز دنیا۔ (۷) عدد تین کی حیرت انگیز دنیا

(8)Supplication (9) Islamic Puzzles (10) His Holiness Imam Ahmad Raza (11)Barkaate Madina (12)Unique Information about the Holy Quraan (13)Befithing reply to antagonists of hadith

منظومات

با اثر ہو گئی دعا فوراً

لب پہ آیا جو مصطفےٰ فوراً
کام بگڑا ہوا بنا فوراً

پڑھ لیا ساتھ ہی درود و سلام
با اثر ہوگئی دعا فوراً

سرفرازی کی آرزو ہے تو پھر
سر پہ رکھ ان کی خاک پا فوراً

دی تھی آواز ان کی رحمت کو
کیوں نہ ٹل جاتا حادثہ فوراً

جب چھڑا ذکر نکہت طیبہ
مسکرانے لگی صبا فوراً

سوچتا تھا بہشت کا نقشہ
سامنے طیبہ آگیا فوراً

تشنگی نے کیا جو لب پہ قیام
آگئی یاد کربلا فوراً

ذکر سرکار کے کھلے غنچے
خوشبوؤں کی تنی ردا فوراً

جس طرف سے مرے نبی گذرے
راستہ وہ مہک گیا فوراً

ہاتھ رکھ دے اگر گدائے نبی
سنگ بن جائے آئینہ فوراً

نؔور ابھرا جو زخم ہجر نبی
مرہم نعت رکھدیا فوراً

سید محمد نورالحسن نؔور

تواضع کر رہی ہے زندگی دو دن کے مہماں کی

ملک حیراں ہوئے ہیں دیکھ کر تخلیق انساں کی
خبر ان کو نہیں لیکن بشر کے دردِ پنہاں کی

ملا ہے دردِ دل، احساسِ غم، سود و زیاں کا ڈر
فرشتوں نے زیارت کی فقط اک روئے خنداں کی

ملا ادراک و علم و معرفت فہم و بصیرت تو
جنوں بھی اک صفت مشہور ہے خاکِ پشیماں کی

خلافت بھی، نیابت بھی، امامت اور سیادت بھی
عبادت، بندگی کرنی ہوئی معبود رحماں کی

بنا ہے اشرف المخلوق یہ ہے امتحاں اس کا
اطاعت ہو گئی لازم سدا اس امرِ ذیشاں کی

برائے بندگی آئے عدم سے ہست میں ہم تو
بھلا پھر کیا ضرورت ہے کسی بھی اور عنواں کی

خطا کاری، گنہ گاری و لغزش بھولنے والے
یعی تعبیر ہے تعریف ہے اِس لفظِ ”انساں“ کی

یہ ہے فطرت میں شامل اس لیے انسان کہتے ہیں
کہانی ختم ہو کیسے بھلا پھر وصفِ نسیاں کی

ہمارے روبرو آئینہ ہے پر ہم تو بے خود ہیں
خبر ہوتی نہیں ہے صورتِ زلفِ پریشاں کی

غمِ ماضی، غمِ فردا، اسیرِ حالِ غم اکثر
تواضع کر رہی ہے زندگی دو دن کے مہماں کی

خلیلؔ اُس دم غمِ دنیا کا احساس و بیاں کیا ہو
شفاعت ہوگی جب ہم اہلِ ایماں اہلِ عصیاں کی

حافظ محمد خلیل چشتی مصباحی

ہر سمت اجالے ہیں

کیا شانِ نبوت ہے، اوصاف نرالے ہیں
ان کے رخِ انور سے ہر سمت اجالے ہیں

طوفانِ حوادث بھی کیا اس کو ڈبو پائے
جس کشتیِ امت کو سرکار سنبھالے ہیں

عشاقِ نبی جو ہیں، پائیں گے وہ محشر میں
بجھ جائے گی پیاس ان کی، تسنیم کے پیالے ہیں

کہتے ہیں بلال اپنی، تو فکر امیّہ کر
کام آئیں گے محشر میں جو جسم پہ چھالے ہیں

ہیں بعدِ خدا افضل، امّی ہے لقب ان کا
تفسیر ہیں قرآں کی، قرآں میں حوالے ہیں

سب پر ہے کرم یکساں، رکھتے ہیں نظر سب پر
سرکار کی نظروں میں گورے ہیں نہ کالے ہیں

ہوگا نہ کفن میلا، روشن ہے لحد ان کی
حفاظ کے سینے میں قرآں کے اجالے ہیں

مقبولؔ! لکھوں نعتیں، حسان کی سنت ہے
ہے اچھا سخن میرا، اشعار نرالے ہیں

حاجی مقبول احمد مقبولؔ مبارک پوری

صدائے بازگشت

ستمبر ۲۰۱۷ء اور مارچ ۲۰۱۸ء کے شماروں پر ایک نظر

ماہ نامہ اشرفیہ ماہ بہ ماہ پابندی سے لیتا ہوں مگر مصروفیت کی وجہ سے بعض شمارے سرسری طور پر دیکھ کر اس امید پر رکھ چھوڑتے ہیں کہ پھر اطمینان سے پڑھیں گے، اس طرح کچھ شمارے بھولے بسرے ہو جاتے ہیں، یہی حال ستمبر ۲۰۱۷ء کے شمارے کا ہوا۔ اِدھر ایک دن مذکورہ شمارہ ہاتھ لگ گیا اور مطالعہ کے دوران "ایک اہم پیغام عام مسلمانوں کے نام" ملا جو کہ شیخ الجامعہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی قبلہ کا مختصر مضمون ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا گیا ہے اور زبان بھی عام لوگوں کے فہم کے مطابق آسان ہے، یعنی مفتی صاحب قبلہ ماشاء اللہ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ چاہیں تو آسان اور عام فہم زبان لکھیں اور بولیں یا چاہیں تو درسی اور فقہی زبان استعمال کریں، بعض لوگ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پاتے، انھیں بعض میں سے ایک میں بھی ہوں۔

مارچ ۲۰۱۸ء کا شمارہ زیرِ مطالعہ ہے، مشمولات کے اعتبار سے بہت بہتر ہے، جس میں مولانا محمد عابد چشتی صاحب کا مضمون "ہندوستان کی چند عظیم چشتی خانقاہیں" اہم ہے مولانا محمد عابد چشتی نے نہ جانے کیوں خواجہ قطب الدین علیہ الرحمہ کا نام خلفا کی فہرست میں ایک جگہ رکھ دیا ہے، بحیثیت خانقاہ نہ سرخی لگائی اور نہ تو کوئی اور تعارف پیش کیا ہے جب کہ مضافات دہلی، مہرولی شریف میں آپ کی خانقاہ آج بھی فیض رساں ہے، رہ گئی عظیم ہونے کی بات تو اس کی عظمت کے لیے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ قدس اللہ السرہ کی نسبت اور نام ہی کافی ہے، خواجہ قطب اپنے پیر و مرشد کے اول اور چہیتے مرید و خلیفہ ہیں، دہلی میں خود خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے انھیں متعیّن کیا اور خود اجمیر میں قیام فرمایا، کچھ دنوں بعد خواجہ قطب علیہ الرحمہ نے مراسلہ ارسال کیا کہ ملنے کے لیے طبیعت بے چین ہے، میں حاضرِ بارگاہ ہونا چاہتا ہوں، جواب میں خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے لکھا کہ آپ نہ آئیں میں خود آرہا ہوں، اس سے ایک مرید و خلیفہ خواجہ قطب علیہ الرحمہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال وہ وقت سلطان شمس الدین التمش کی بادشاہت کا دَور تھا، ایک درباری عالم نے فتنہ برپا کر رکھا تھا، محض اس لیے کہ شیخ الاسلام کا عہدہ میرے پاس ہے اور عوام و خواص کی بھیڑ خواجہ بختیار کاکی کے یہاں رجوع کر رہی ہے، خود سلطان شمس الدین التمش بھی خواجہ قطب علیہ الرحمہ سے بیعت تھے، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ اجمیر سے دہلی وارد ہوئے اور حالات کے پیشِ نظر خواجہ قطب کو اجمیر لے جانا چاہا مگر عوام و سلطان کی طلب و خواہش پر انھیں دہلی ہی میں رکھ کر چلے گئے، یہ صحیح ہے کہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ سے سلسلہ چشتیہ کو بہت فروغ ملا مگر خواجہ قطب علیہ الرحمہ کی ذات اور خانقاہ ایسی گمنام اور ویران بھی نہیں کہ کچھ ذکر ہی نہ کیا جائے، آپ محبوب الٰہی کے دادا پیر ہیں۔

میں خواجہ قطب علیہ الرحمہ کے یہاں اب تک تین ہی مرتبہ حاضری دے سکا ہوں، پہلے دو بار شام کے وقت حاضر ہوا تھا، ابھی گذشتہ دسمبر ۲۰۱۷ء ۲۵/ تاریخ کو حاضر ہوا تھا، صبح تقریباً دس بجے خانقاہ کے داخلے کی راہ داری سے گزرتے ہوئے جیسے ہی مسجد کے پاس پہنچا تو مائک پر تعوذ و تسمیہ کی آواز بلند ہوئی، آگے بڑھتے ہوئے جب مزار شریف کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ معززین و سجادہ نشین کی اور کچھ عام لوگوں کی محفل جمی ہوئی تھی اور وہیں سے قل شریف پڑھا جا رہا تھا، میں بھی اپنی نذر و نیاز لے کر ایک طرف بیٹھ گیا، اس طرح انفرادی فاتحہ خوانی کے بجائے اجتماعی فاتحہ خوانی و شجرہ خوانی میں شمولیت ہو گئی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ صبح کے وقت یہ روزانہ کا معمول ہے جس میں میں اتفاقیہ شامل ہو گیا، یہاں بے تکلف سادگی اور روحانیت کا احساس ہوتا ہے، بہ نسبت اور جگہوں کی گہما گہمی اور شور شرابے کے، ہاں اس خانقاہ سے دعوتی، تبلیغی اور خدمتِ خلق کا کام کس طرح اور کیسا ہو رہا ہے یہ تفصیل خانقاہ کی مسجد کے سامنے آفس ہے، وہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کا یومِ وصال ۱۲/ ربیع الاول شریف ہے، اسی تاریخ میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

ایک منقبت در شان خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمہ پیش خدمت ہے، اگر قبول ہو جائے تو نوازش و کرم۔ فقط والسلام

محمد خلیل مصباحی چشتی
عزیز نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

یکساں سِول کوڈ

گھبرائیے مت، صرف خاموش رہیے اور تماشہ دیکھیے

بی جے پی نے اپنی عادتِ پارینہ کے مطابق اصل مسائل سے توجہ ہٹاتے ہوئے ایک بار پھر پورے ملک کو یکساں سول کوڈ کے گڑھے میں ڈھکیل دیا ہے اور مسلمان بھی بخوشی اس گڑھے میں گرنے کو تیار ہیں۔ اس قانون کو گڑھا اس لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ قانون سوائے تباہی کے کچھ اور نہیں لائے گا۔ اولاً تو یہ نافذ نہیں ہو سکتا اور اگر بی جے پی نے جبراً تھوپ بھی دیا تو ہندوستان کی متنوع گنگا جمنی تہذیب اور تہذیبوں، ثقافتوں اور روایتوں کی ہزاروں سال پرانی بے نظیر اور لازوال خوبصورتی بیک جنبش قلم بدصورتی میں بدل جائے گی

۔ حکومت ہند کے اشارے پر لاکمیشن نے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے معاملے میں شہریوں کی آرا طلب کی ہیں۔ مسلمانوں کی بنسبت دیگر اقوام کے لوگ زیادہ ہوشیار ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ بی جے پی کا حربہ ہی یہ ہے یا کم از کم اس کی جانب سے یہ تاثر دیا جاتا رہا ہے کہ اس قانون کا ٹھیکرہ مسلمانوں کے سر ہی پھوڑا جائے گا۔ بی جے پی کے ”دانش وروں“ کو مجھ جیسا کم فکر و کم سواد کیسے بتائے کہ یہ ایسا بانجھ قانون ہے جس کے شکم سے کچھ بھی برآمد ہونے والا نہیں ہے اور اگر کچھ برآمد ہوا بھی تو بس لولا، لنگڑا، اپاہج، معذور۔ یہ قانون نافذ ہو گیا تو فکر نہ کیجیے سب سے زیادہ بھیانک انجام غیر مسلموں کا ہی ہونے والا ہے، رہ گئی بات مسلمانوں کی تو جب ۸۰ فیصد اس کے کرب میں مبتلا ہوں گے تو ہم تو ۲۰ فیصد ہیں ہم بھی اسے جھیل لیں گے۔ جب ۸۰ فیصد کو فکر و اضطراب نہیں تو ۲۰ فیصد کو کیوں ہے؟ اس ضمن میں میرا شکوہ بھی سن لیجیے۔ مجھ جیسے لوگوں کو شکوہ مخالفوں سے نہیں بلکہ اپنوں سے ہے، ہم کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم کسی بھی معاملے میں بہت جلد حساس ہو جاتے ہیں، مانا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم اپنے دینی احکام کے تئیں بہت زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں اور حساس ہونا بھی چاہیے کیوں کہ یہ حساسیت بتاتی ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ہمارے اندر ایمان نہ سہی ایمان کی رمق ضرور باقی ہے مگر محترم! ہماری جذباتیت اور حساسیت بہت سارے مواقع پر ہمیں بے تحاشہ نقصان بھی پہنچا جاتی ہے، اس کا اندازہ اگر اب بھی ہمیں نہیں ہے تو پھر ہمیں اپنی عقل و فکر کا علاج کرا لینا چاہیے۔ بدقسمتی سے ہمارے لیڈر کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں جو شہ سرخیوں میں آنے کا موقع ڈھونڈتے ہیں اور موقع ملتے ہی اپنی ”قیادت“ (بلکہ کیادت) کو ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ نہ کرے یکساں سول کوڈ کے معاملے میں مسلم لیڈروں کی ”قائدانہ“ صلاحیتوں، مشوروں اور شکووں سے ہمیں واسطہ پڑے۔ اگر ایسا سابقہ پیش آ بھی جائے تو آپ ایک بات پلے باندھ لیجیے کہ انہیں ایک کان سے سننا ہے اور دوسرے کان سے باہر کا راستہ دکھانا ہے۔ میرے کانوں میں کوئی پھونک رہا ہے کہ میاں! اللہ نے دو کان اسی لیے تو دیے ہیں کہ دو ٹکے کی باتوں کو ایک کان سے گزارو اور دوسرے سے باہر کا راستہ دکھا دو۔ ایک اور بات ذہن میں رکھیے کہ ہماری آپ کی مخالفت سے حکومت ہند ایک فیصد تو کیا، اس ایک فیصد کا ایک فیصد بھی اپنے نظریات اور پالیسی سے پیچھے نہیں ہٹے گی اس لیے ہمیں کیا پڑی ہے کہ مخالفت، احتجاج، مطالبے اور میمورنڈم میں اپنا وقت، قوت اور جذبہ ضائع کرنے کی۔ کیا ہماری قوت اور ہمارا وقت اتنا سستا ہے کہ ہم غیر ضروری چیزوں میں اسے بہا دیں؟ ہماری مخالفت کا براہ راست فائدہ بی جے پی کو ہوگا اور بی جے پی یہی چاہتی ہے کہ ہماری مخالفت اور احتجاج کا اغوا کر کے ملک کے بے شعوروں اور جاہلوں کو ڈرایا جائے اور ملک کے اقتدار پر ایک بار پھر چڑھ دوڑا جائے۔

اس زاویے سے بھی غور کیجیے کہ اس قانون سے مسلمانوں کا کچھ بھی نہیں ہوگا کیوں کہ انڈیا تو کیا پوری دنیا کے مسلمانوں کے قوانین ایک جیسے ہیں، انہیں رتی بھر بھی فرق نہیں پڑنے والا، غیر مسلم ہی اس کے قانون کے دو پاٹوں کے درمیان بری طری پیسے جائیں گے مگر پھر بھی وہ مطمئن ہیں یا یوں کہیے کہ مطمئن بننے کا ناٹک کر رہے ہیں کیوں کہ ان کے لیڈروں نے انہیں بتا دیا ہے کہ بس خاموش رہو اور جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں میں چند فرقے ضرور ہیں مگر ان کی شادی بیاہ، طلاق، پیدائش، موت اور وراثت کے مسائل ایک جیسے ہی ہیں، جب کہ غیر مسلموں میں ایک نہیں ہزار فرقے ہیں اور سب کے اپنے اپنے دائرے، اپنے اپنے زاویے، اپنی اپنی روایات اور اپنی اپنی رسوم ہیں۔ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے ان سب دائروں اور روایات کا جنازہ نکلنے والا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ حکومت اس قانون کو لا کر اپنی حماقت کا کوئی ثبوت پیش کرنے والی ہے مگر جب بی جے پی کی طرف دیکھتا ہوں تو اپنے اس خیال سے نظر ثانی کرنے کو جی چاہتا ہے کیوں کہ ساڑھے تین چار سال کے عرصے میں اس حکومت نے صرف وہی کیا ہے جس سے شہری مسائل کے شکار ہو جائیں اور مرکزی قیادت اندر ہی اندر اپنے مفادات کی پرستش کرتی رہے۔ اس کا سب سے بڑا نمونہ نیرو مودی ہے جو ہزاروں کروڑ لے کر رفو چکر ہو چکا ہے اور مودی حکومت لکیر پیٹ رہی ہے۔ اب چوں کہ اتر پردیش کے ضمنی الیکشن کے نتائج نے اس کے قلعے میں سیندھ لگا دی ہے تو پھر اسے اس قانون کی شدت سے یاد ستانے لگی ہے تاکہ اصل مسائل سے توجہ ہٹائی جا سکے، اور پھر لوک سبھا کا الیکشن بھی سامنے ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوک سبھا الیکشن میں یکساں سول کوڈ کے معاملے پر سیاست کی دو کان چمکائی جانے والی ہے اور ملک کے بیوقوف، بے شعور لوگوں کو ورغلا کر اپنی ”عزت“ بچانے کی منصوبہ بندی کر لی گئی ہے۔ یکساں سول کوڈ جیسے دیگر غیر ضروری مسائل میں ہمیں کچھ دہائیوں کے لیے صرف خاموشی ہی اختیار کرنی ہے اور اپنی ساری توجہ تعلیم پر لگانی ہے اور بس۔ اگر اس وقت بھی ہم دشمنوں کی الجھائی ہوئی ڈور میں الجھے رہے تو پھر ہم کبھی بھی اپنے مسائل اور معاملات کا سِرا ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ پہلے ہمیں خود کو اندر سے مضبوط کرنا ہے اس کے بعد ہی چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے، یہ آپ کو کس بے شعور لیڈر نے بتا دیا کہ اپنا اندرون مضبوط کیے بغیر، کوئی تیاری کیے بغیر مخالفوں کی صف میں جا گھسو اور زخم خوردہ واپس آؤ۔ اخیر میں پھر اسی بات کا اعادہ کہ چند دہائیوں تک ہمیں آپ کو صرف خاموشی اوڑھ لینی ہے اور ارد گرد کے تماشے دیکھتے رہنا ہے۔ آئیے یکساں سول کوڈ کا تماشہ دیکھیں اور من ہی من مسکراتے جائیں۔

از: صادق رضا مصباحی۔ sadiqraza92@gmail.com

خیر و خبر

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مسابقۂ حفظِ حدیث

مذہبِ اسلام کی صداقت وحقانیت کو روشن کرنے کے لیے عقائد و احکام وغیرہ میں احادیثِ نبویہ کا تحقیقی مطالعہ کرنا کس قدر ضروری ہے، یہ اہلِ علم و دانش پر مخفی نہیں ہے، اسی بات کے پیشِ نظر "تنظیم افکارِ رضا" طلبۂ اتر دیناج پور، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے ۸/ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بعد نمازِ عشا جامعہ اشرفیہ کے وسیع وعریض ہاسٹل میں پانچواں سالانہ مسابقۂ حدیث کا فائنل پروگرام حسبِ سابق مولانا صدر الوریٰ مصباحی استاذ جامعہ ہذا کی سرپرستی میں منعقد ہوا۔

ٹیسٹ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے ۱۵/ منتخب طلبہ ہی فائنل مسابقہ میں شریک کیے گئے۔ فائنل مسابقہ میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے نیاز احمد، سابعہ، سنت کبیر نگر کو نزہۃ القاری شرح بخاری، دوم پوزیشن حاصل کرنے والے عمران رضا، سادسہ، امبیڈکر نگر، کو مرأۃ المناجیح مکمل۔ سوم پوزیشن حاصل کرنے والے آصف رضا، سادسہ فتح پور کو شرح مدارک شریف مکمل کے ساتھ اسناد بھی مہمانانِ خصوصی کے ہاتھوں دی گئیں۔ بقیہ شرکا بھی سند اور ترغیبی انعامات سے نوازے گئے۔

بحیثیت ممتحن جامعہ اشرفیہ کے ذی استعداد اساتذۂ کرام مفتی زاہد علی سلامی مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، مولانا عبد اللہ مصباحی ازہری اور مولانا حبیب اللہ بیگ مصباحی ازہری شریک رہے۔

پروگرام کا آغاز قاری صداقت حسین کٹیہار کی تلاوت اور اظہر، دار السلام اور احمد حسین کی نعت خوانی سے کیا گیا۔ جب کہ نظامت کا فریضہ مولانا ذیشان نیپالی نے انجام دیا۔ اس کے بعد ماہرِ علم وفن مولانا صدر الوریٰ مصباحی کا فنِ حدیث کی اہمیت وافادیت پر پر مغز خطاب ہوا۔ موصوف نے اپنی تقریر میں طلبہ کو فنِ حدیث، نقل و درایت کی طرف مائل کرنے کے لیے احادیثِ نبویہ اور اقوالِ علما و محدثین سے اپنی گفتگو کو مزین کیا، ساتھ ہی طلبہ کے سوال کا جواب بھی جرح و تعدیل کے ساتھ مرحمت فرمایا۔ موصوف نے دورانِ تقریر "تنظیم افکارِ رضا" طلبۂ اتر دیناج پور کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے مفتی محمد اسلم آزاد رضوی مصباحی استاذ دار العلوم غوثیہ حضوریہ سریا، اعظم گڑھ کو مبارک باد پیش کی کہ انھوں نے پانچ سال قبل عہدِ طالب علمی (شعبۂ تحقیق) ہی میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود اس مسابقہ کی بنیاد رکھی، مولانا محمد منتظر قادری نے ہدیۂ تشکر پیش کیا۔

اخیر میں مفتی محمد اسلم آزاد رضوی مصباحی نے کلماتِ تشکر پیش کرتے ہوئے اساتذۂ جامعہ ہذا، ارکانِ تنظیم اور دیگر طلبۂ جامعہ کا شکریہ ادا کیا۔ موصوف نے کہا کہ بے پناہ مسرت کی بات ہے کہ تنظیم اور مسابقہ نہایت برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ موصوف نے بہت قیمتی بات بتاتے ہوئے کہا کہ خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ناظم علی مصباحی، جلیل القدر اساتذہ جامعہ ہی کی رہنمائی میں میں نے مسابقہ جیسا عظیم الشان پروگرام کی بنیاد رکھی اور فیضانِ حافظِ ملت ہی ہے کہ آج تک یہ قائم و دائم ہے۔

اخیر میں صلاۃ و سلام اور فاتحہ خوانی ہوئی۔ مفتی زاہد علی سلامی مصباحی کی دعا پر پروگرام نہایت ہی کامیابی کے ساتھ اختتام پزیر ہوا، اس موقع پر مولانا اظہار النبی حسینی، مولانا رئیس اختر مصباحی، مولانا سعید رضا، مولانا شہروز، مولانا عبد الرحمٰن و مولانا ارشاد مصباحی و دیگر اساتذۂ جامعہ کے علاوہ اعرف رضا مصباحی، ذاکر حسین مصباحی، شوکت رضا مصباحی، علی رضا، حسنین اختر، عبد الروف، حیدر علی، سعید انور، ارکانِ تنظیم کثیر تعداد میں طلبۂ جامعہ موجود تھے۔ "تنظیم افکارِ رضا" ایک متحرک اور فعال تنظیم ہے۔ اس کے تحت ایک لائبریری بھی ہے جن سے طلبہ بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تنظیم کو اور ارکانِ تنظیم کو حوادثِ زمانہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

از: محمد اعرف رضا، سادسہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

محفل مکالمہ بنام جشن سرکار شاہ عالم علیہ الرحمہ

دار العلوم شاہ عالم، احمد آباد، دین وسنیت کا بے لوث ہے۔ گجرات کے قدیم اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، اس ادارے کی نسبت ابو البرکات شاہ عالم محبوب باری حضرت سید محمد سراج الدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہونے کی وجہ سے اس پر حضرت شاہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خصوصی فیضان، جاری ہے۔

۲۲؍جمادی الآخرہ۱۴۳۹ھ مطابق۱۱؍مارچ۲۰۱۸ء بروز اتوار دار العلوم شاہ عالم کے زیر اہتمام اور ناظم اعلیٰ مخیر قوم وملت جناب منیر الاسلام کلیمی کی سرپرستی میں بمقام عطائے شاہ عالم بلڈنگ، بجلی گھر کے سامنے ،ریپبلک اسکول کے پاس ،لال دروازہ، احمد آباد ایک عظیم الشان محفل مکالمہ بنام جشن سرکار شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ منعقد کی گئی۔جس میں ادارے کے طلبہ نے اپنی علمی اور فکری بساط کے مطابق حضور شاہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے چند گوشوں پر گفتگو کی اورآپ کے علمی کارنامے ،کرامات وواقعات اور اخلاقیات کو بصورت مکالمہ بیان کیا۔ محفل کا آغاز حافظ و قاری محمد گل فراز متعلّم دار العلوم ہذا کی تلاوت سے ہوااور یکے بعد دیگرے حافظ سراج الدین، حافظ تمیم، حافظ مصعب، حافظ نعمان نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا سرکار شاہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں منقبت کے گلدستے پیش کیے۔اس کے بعد مکالمہ کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً دو گھنٹہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مکالمے میں حصہ لینے والے حضرات یہ ہیں: مولانا سید نذیر، مولانا محمد مسعود، مولانا سید محمد اویس، مولانا محمد منیر، مولوی محمد مستفیض الرحمن۔

اس موقع سے مولانا محمد شہاب الدین مصباحی و مولانا محمد سلیم الدین مصباحی ،مولانا محمد عبد الرشید ،حافظ و قاری محمد زبیر عالم ، قاری بسم اللہ ،حافظ نیاز، منیر الاسلام کلیمی اور مدرسے کے بچے اور اراکین کے علاوہ بڑی تعداد میں مقامی علما وائمہ اور عوام شریک ہوئے۔ از: محمد اصغر علیمی اشرفی
صدر دار العلوم شاہ عالم خماسہ احمد آباد گجرات

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ میں دینی جلسہ

مساجد تبلیغ دین کے اہم مراکز ہیں۔ مسجد کے منبر ومحراب سے قوم کی اصلاح وذہن سازی کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ائمہ کرام کو چاہیے کہ خطبۂ جمعہ سے قبل تقریر میں اصلاح عقیدہ و اعمال کے ساتھ حالات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالیں تاکہ قوم نئے نئے ابھرنے والے فتنوں سے آگاہ ہوکر اپنی حفاظت کرسکے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار ہمدرد یونیورسٹی دہلی کے ریسرچ اسکالر انجینئر سید فضل اللہ چشتی نے کیا۔وہ یہاں مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج میں ”عصر حاضر میں ائمہ مساجد اور مسلم دانشوران کی ذمہ داریاں“عنوان پر منعقد دینی جلسہ کو خطاب کررہے تھے۔انہوں نے کہا کہ آج اسلام پر فکری حملے ہو رہے ہیں۔اسلام دشمن طاقتیں انتہائی عیاری و ہوشیاری کے ساتھ مسلم نوجوانوں کے ذہن وفکر کا اغوا کر رہی ہیں۔ علمائے کرام اور دانشوران قوم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اسلام مخالف سازشوں کا بھرپور دفاع اور قوم کو صلاح وفلاح کے راستے پر لے جانے کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کریں۔انہوں نے کہا کہ باطل سے مقابلہ کے لیے تیاری کرنے کی بات قرآن میں بھی کہی گئی ہے۔ ہفتہ میں جمعہ کا دن بہت اہم ہوتا ہے، قوم کی فکری و عملی اصلاح کے لیے ائمہ کرام تیاری کر کے جمعہ میں خطاب کریں۔اسی طرح پنج وقتہ نماز میں ہر روز دو سے تین منٹ کے اندر اہم دینی مسائل کا درس بھی دیں تو اس کے خوشگوار نتائج مرتب ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ دینی تعلیمات اور علمائے کرام سے دوری کی بنیاد پر قوم مسلم کے اندر بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں اور نئی نسل گمراہی کے راستے پر جارہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ علمائے کرام سے قریب ہوں اور اپنے بچوں کو دین اور اردو کی تعلیم سے آراستہ کریں۔ ائمہ کرام بھی دین کی بنیادی تعلیم اور محلہ کے بچوں کو اردو سکھانے کے لیے میعاد متعیّن کرکے کورس مکمل کرائیں تبھی بچوں کے اندر دلچسپی پیدا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ قوم کے اندر ایک منفی سوچ یہ پائی جاتی ہے کہ امام صاحب دین کا سارا کام مفت میں کریں حالانکہ موبائل خریدیں گے بیس ہزار کا، حدیث شریف میں ہے کہ آخر زمانہ میں دین کا کام درہم ودینار سے ہوگا، لہٰذا ائمہ وعلمائے کرام کو فیس دے کر اپنے بچوں کو دین سکھانے کی کوشش کریں۔

جلسہ کا آغاز قاری امان المصطفیٰ کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ قاری محمد ظہیر طائی نے نعت پیش کی۔ سرپرستی مفتی حبیب اللہ نعیمی بلرامپوری، صدارت ادارہ کے صدرالمدرسین قاری ذاکر علی قادری اور نظامت مولانا محمد عرفان قادری نے کی۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد مفتی حبیب اللہ نعیمی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔اس موقع پر قاری رئیس احمد خاں فیض آبادی، قاری محمد مسلم، قاری محمد شریف قادری، قاری تنویر عالم، قاری محمد افروز، قاری امیر الحسن، حاجی محمد افتخار حسین برکاتی، حاجی سید رسول حسن برکاتی، ضیاء قادری، حاجی مشرف زماں حشمتی کے علاوہ مدرسہ کے تمامی اساتذہ وطلبہ اور اراکین و معززین اور ائمہ مساجد کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: شعبۂ نشریات مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

فاروقیہ بک ڈپو کی خصوصی پیش کش

خوشخبری

الحمدللہ! ہندوستان میں پہلی بار اردو ترجمے کے ساتھ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور حاشیہ

۱ ۲ ۳ ٤ ۵ ٦ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲

فتاوی شامی

رَدُّ المُحتار علی الدرّ المُختار شرح تنویر الأبصار

محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمہ اللہ — محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمہ اللہ — محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی رحمہ اللہ

قیمت -/9600

﴿علم و آگہی سے بھرپور﴾ ﴿فہم و دانش سے معمور﴾ ﴿علوم و معارف سے لبریز﴾

خصوصیات

- اردو میں عربی کے ساتھ پہلا سلیس اور رواں ترجمہ۔
- فقہ و افتا میں تخصص کرنے والوں کے لئے وقیع فقہی ذخیرہ۔
- مذہب حنفی کے اصول و قواعد کا ضخیم انسائیکلو پیڈیا۔
- مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ و اساتذہ کی ضرورت۔
- فقہ حنفی میں فتویٰ و افتا کا بنیادی ماخذ۔
- ایک ایسا فتاویٰ جس میں ہر مسئلہ کا مدلل و شافی شرعی حل ہے۔
- تمام مذاہب فقہ میں یکساں مقبول۔
- شرعی و قانونی موشگافیوں کے حل میں علماء کرام کا رہنما۔
- فتویٰ نویسی میں طلبہ کیلئے بہترین گائیڈ۔
- مدرسین اور مفتیان عظام کے لئے لاجواب تحفہ

بکنگ کے لئے رابطہ کریں

FAROOQIA BOOK DEPOT

Whatsapp No. 9718901005

422/c Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-06, Ph. 011-23266053, 23267199, E-mail : farooqiabookdepot@gmail.com

Bank: State Bank of India, Farooqia Book Depot, A/C No. 31497170850 Branch Code-02366 Jama Masjid, Delhi

क़ादरी टूर
हज उमरह व ज़ियारत टूर
حج وعمرہ
آؤبغدادشریف چلیں
زیارت بغدادشریف
10 दिन Rs.65000/3Star होटल
Rs.55000/- میں آستانے پر رہائش ۱۰ر دن-/Rs.65000 ر ہزار روپئے میں ہوٹل ۳ر اسٹار
سفر ۱۰ر دن کا روانگی ۲۵ر سے ۳۰ مارچ ۲۰۱۸ ہزار ر ۵۵۰۰۰
بغدادشریف، کربلا، نجف، اشرف، میسّب، ہلہ، آزمیا، مدائن، کاظمین، شریف کی
تمام مقامات مقدسہ کی زیارتیں اے۔سی، بسوں کے ذریعہ
غوث پاک کے آستانہ پر رہائش صبح ناشتہ، دوپہر ورات کا کھانہ شامل
سہولیات سعودی ایئرلائن سے سفر، ناشتہ، کھانا، رہائش، زیارت، لانڈری مکہ سے مدینہ منورہ آنے جانے کا بس سے، زمزم
ا رتاریخ سے ۱۰ تاریخ کے بیچ
رمضان شریف کا عمرہ ۱۵ر دن کے لئے ۸۰۰۰۰ ہزار
۲۸ر دن کے لئے ۱۰۵۰۰۰ ہزار
لکھنؤ سے ۱۵ دن کے لئے 56000/00 مکہ میں ہوٹل کی دوری ۶۰۰ میٹر مدینہ منورہ میں ہوٹل کی دوری ۲۰۰ میٹر
لکھنؤ سے ۱۵ دن کے لئے 50000/00 مکہ میں ہوٹل کی دوری ۱۱۰۰ میٹر مدینہ منورہ میں ہوٹل کی دوری ۵۰۰ میٹر
دہلی سے روانگی ۱۵ دن کے لئے 41000/00 ایئر اتھوبیہ مکہ میں ہوٹل کی دوری ۱۱۰۰ میٹر مدینہ منورہ میں ہوٹل کی دوری ۵۰۰ میٹر
جانے کی تاریخ۔ ۲۰ر فروری ۲۰۱۸ واپسی۔ ۸ر مارچ ۲۰۱۸ جانے کی تاریخ۔ ۱۵ر اپریل ۲۰۱۸ واپسی۔ ۲ر مئی ۲۰۱۸
جانے کی تاریخ۔ ۲۵ر مئی ۲۰۱۸ واپسی۔ ۲ر جون ۲۰۱۸
होटल मदीना मुनव्वरा
होटल मक्का मुकर्रमा
ہر ماہ روانگی
हर महीना रवानगी
HAJJ & UMRAH
VISA SERVICE
COMFORT TRANSPORTATION
MANPOWER RECRUITMENT
AIR TICKETING
COMFORT HOLIDAY
مزید معلومات کے لئے رابطہ کریں
IATA
TAFI
Comfort TRAVEL GROUP
We Provide Comfort.
APPROVED BY GOVT. OF INDIA (COMFORT TRAVELS)
REGD. NO. B-0182/BOM/PART/1000+/3/3513/92-93 (Ministry of Labour)
Email: lucknow@comforttravelgroup.com
Website: www.comforttravelgroup.com
Contact
Haji Yar Mohammad Qadri
Mob: 9616216647
Mohammad Alam Qadri
Mob: 9628926105
Address
D-15, 1st Floor, Arif Chamber-II
Sahara India Bhawan, Kapoorthala
Aliganj, Lucknow
Contact :0522-4079306
7054 111083